ڈاکٹر ف۔ عبدالرحیم

گلستانِ الفاظ و معانی

گلستانِ الفاظ و معانی

ف۔ عبدالرحیم

اسلامک بک فاؤنڈیشن
۱۷۸۱۔حوض سوئیوالان، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۲

Name of the Book : **Gulistan-e-Alfaz-wa-Maani**
Name of Author : Dr. V. Abdur Rahim
Edition : 1439AH / 2018AD
Published By : **Islamic Book Foundation**
An Institue of Islamic Research & Publication
1781, Hauz Suiwalan, New Delhi - 110002
Pages : **148**
Price : **₹ 150**

نام کتاب : گلستانِ الفاظ ومعانی

نام مصنف : ڈاکٹر ف۔عبدالرحیم

سنہ اشاعت : ۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ء

صفحات : ۱۴۸

مطبع : ڈائمنڈ پرنٹرز، نئی دہلی

ناشر :

اسلامک بک فاؤنڈیشن
۱۷۸۱-حوض سوئیوالان، نئی دہلی۔۱۱۰۰۰۲
Mob : 09313780743
Email. ibookfoundation@gmail.com

Islamic Book Foundation
AN INSTITUTE OF ISLAMIC RESEARCH & PUBLICATIONS
1781, Hauz Suiwalan, New Delhi - 110002

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحَمدُ للهِ رَبِّ العَالِمِين، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلى أشرَفِ الأَنبيَاء والمُرسَلِينَ، نَبيِّنا محمَّد وعَلى آله وَصحبِه أجمَعِينَ.

الفاظ و معانی کے موضوع پر میری پہلی کتاب ‹‹پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ الفاظ سے›› ۲۰۰۳ء میں IFT چینائی کی طرف سے شائع ہوی تھی، کتاب کو علمی اور ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی حاصل ہوی، اور بعض علمی وادبی جرائد کے تبصرہ نگاروں نے اسے سراہا تھا۔

کتاب کے شائع ہونے کے دوسال بعد یعنی ۲۰۰۵ء میں لاہور کے بیت الحکمت نے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔ اس میں بیت الحکمت کے ڈائرکٹر مشہور ومعروف عالم دین پروفیسر عبدالجبار شاکر مرحوم نے ایک طویل مقدمہ لکھاہے جس میں کتاب اور اس کے مؤلف کے تعارف کے ساتھ ساتھ علم اشتقاق (Etymology) پر ایک عالمانہ اور سیر حاصل بحث بھی شامل ہے۔

اس کتاب کی مقبولیت، اور تبصرہ نگاورں اور قارئین کرام کی حوصلہ افزائی ہی نے راقم کو اس سلسلے کی دوسری کتاب ‹‹گلستان الفاظ و معانی›› لکھنے پر آمادہ کیا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ پہلی کتاب کی طرح میری اس نئی تالیف کو بھی مقبولیت اور پذیرائی عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے کتاب کو قارئین کے لیے مفید بنادے۔

میں اس موقعہ پر عزیزم جناب راسخ کشمیری کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کتاب سے ان کی دلچسپی تصنیف کے روز اول ہی سے شروع ہو چکی تھی، اور تصنیفی عمل کی پیشرفت کے بارے میں اگر ان کا مسلسل سوال جاری نہ رہتا تو تصنیف کے اس عمل کا معرض التواء میں پڑ جانے کا بڑا امکان تھا۔

کتاب کی علمی مراجعت کا کام عزیزم ڈاکٹر الطاف احمد مالانی نے انجام دیا۔ کتاب کی کمپوزنگ میں جن احباب نے حصہ لیا ان میں عزیزم عبید اللہ اطہر حسین کا نام سرفہرست ہے۔ پروف ریڈنگ کا وقت طلب اور صبر آزما کام عزیزم شیخ تنویر الٰہی عمری نے انجام دیا، اور کمپوزنگ کی بہت ساری غلطیوں کی نشاندہی کی۔

میں ان تمام احباب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالی ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

إذا قال الرجل لأخيه : «جَزَاكَ اللهُ خَيرًا فَقَد أَبلَغَ فِي الثَّناء».

ف۔ عبدالرحیم

مقدمہ

دریغ آمدم زان ھمہ بوستان   تہی دست رفتن سوی دوستان

اردو کا نام ترکی ہے، تو ہندی کا نام عربی۔ اسی طرح اردو میں انگریزی کا نام پرتگالی، اور فرنچ کا نام انگریزی۔ بہت پہلے ڈچ زبان کا نام فرانسیسی ہوتا تھا۔ یہ بات سن کر آپ کا سر چکرا گیا ہوگا۔ لیکن الفاظ و معانی کی دنیا میں یہ سب کچھ ممکن ہے، اور ایسا ہوتا آرہا ہے۔

پہلے «اردو» کو لیتے ہیں۔ یہ لفظ ترکی ہے۔ مصطفی کمال اتاترک[1] کے زمانے سے ترکی زبان لاطینی حروف میں لکھی جاتی ہے۔ اس سے پہلے عثمانی دور میں عربی حروف میں لکھی جاتی تھی۔

لاطینی حروف میں «اردو» کا املا ہے ordu ہے، اس کا معنی فوج بھی ہے، اور چھاونی بھی۔

انگریزی میں ایک لفظ horde ہے جس کا معنی ہے: تاتاری خانہ بدوش قبیلہ۔ ابتداء میں اس لفظ کا اطلاق تاخت و تاراج کرنے والے غیر منظم جتھوں پر ہوتا تھا، جیسے:

The country was overrun by Tartar hordes.

---

(۱) «اتاترک» کا معنی ہے: «بابائے ترک»۔ یہ مصطفی کمال کو دیا گیا لقب ہے۔

یعنی: ملک پر تاتاری جتھوں کا قبضہ ہو گیا۔

لیکن بعد میں اس لفظ میں کافی تہذیب آگئی، اور یہ لفظ اژدحام کے معنی میں استعمال ہونے لگا جیسے: .Football fans turned out in hordes

یعنی: فٹ بال کے دیوانے جوق در جوق جمع ہوے۔

انگریزی کا یہ لفظ (horde) بھی ترکی کے «اردو» کی ایک شکل ہے۔

چونکہ اردو کی نشوونما فوجی چھاونی میں ہوی تھی، اس لیے اس کا نام «اردو» پڑ گیا۔

اردو میں ترکی زبان کے کچھ الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ جیسے ایلچی، قابو، اتالیق، بیگم، یورش وغیرہ، اردو زبان کی تاریخ لکھنے والوں کے قول سے ایسا لگتا ہے کہ اردو میں ترکی زبان کے الفاظ بہت زیادہ ہیں. یہ بات صحیح نہیں ہے۔

اب آیئے لفظ «ہندی» کا جائزہ لیں۔ عربی میں ہندوستان کو «الهند» کہتے ہیں، اور ہندوستان سے منسوب چیز یا شخص «ہندی» ہے۔ ہندوستان کی ایک زبان کو جو یوپی اور بہار میں بولی جاتی ہے «ہندی» کا نام دے دیا گیا۔ جو لوگ ہندی زبان سے عربی کے الفاظ کو نکالنا چاہتے ہیں، ان کو پہلے اس زبان کا نام بدلنا پڑیگا۔

لفظ «ہندی» کے آخر میں جو حرف «ی» ہے، وہ یائے نَسَب کہلاتا ہے اور یہ «ہندی» میں بھی ہے، اور ہندی کے سینکڑوں الفاظ میں بھی جیسے: پنجابی، گجراتی، بنگالی، گنگا جمنی وغیرہ۔

ہماری فہرست میں تیسرا لفظ «انگریزی» ہے۔ انگریزی زبان میں اس کا نام English ہے۔ اس لفظ کی اصل کیا ہے؟ یہ بہت دلچسپ موضوع ہے۔ جو ملک آج کل England کہلاتا ہے، اس کا قدیم نام Britain تھا۔ یہی لفظ اردو میں «برطانیہ» بنا۔ پانچویں صدی عیسوی میں جرمنی کے دو قبیلے برطانیہ کے مشرقی اور جنوبی ساحل پر حملہ کرکے اس پر قابض ہو گئے۔ ان میں سے ایک قبیلہ کا نام Angles تھا، اور دوسرے کا نام Saxons ۔ پہلے قبیلے Angles نے اس ملک کو اپنے نام سے موسوم کرلیا، چنانچہ انھوں نے اس ملک کا نام England رکھا یعنی Angles کی سرزمین، اور اپنی زبان بھی یہاں رائج کردی، جس کا نام English رکھا یعنی Angles کی زبان۔

ان دونوں قبیلوں نے برطانیہ کی اکثر قدیم زبانوں کو ختم کردیا، لیکن اللہ تعالی کا فضل وکرم ہے کہ برطانیہ کے جنوبی مغرب میں Wales نامی جو صوبہ ہے وہاں برطانیہ کی ایک قدیم زبان Welsh آج کل بھی رائج ہے۔

میں ایک بار British Airways سے سفر کر رہا تھا، پرواز کے دوران مسافروں کو پانی کی بوتلیں دی گئیں۔ بوتل پر انگریزی میں water لکھا ہوا تھا۔ اس کے نیچے یہ لفظ لکھا ہوا تھا dŵr۔ میں نے ایر ہوسٹس سے پوچھا: یہ لفظ کس زبان کا ہے، اور اس کا معنی کیا ہے۔ اس نے کہا: یہ لفظ میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کس زبان کا لفظ ہے، اور اس کا کیا معنی ہے۔ میں نے کہا: اب جان لو یہ Welsh زبان کا لفظ ہے، اس کا تلفظ «دور» ہے، اور اس کا معنی ہے: پانی۔

اب لفظ English کی طرف لوٹتے ہیں۔ اردو میں جو لفظ «انگریزی» ہے وہ پرتگالی ہے۔ پرتگالی میں اس کا املاء ہے: Inglês۔ یہ لفظ جب اردو میں داخل ہوا، تو اس کا «ل» بدل کر «ر» بن گیا، اور یہ لفظ «انگریس» بن گیا۔ پھر اس کے آخر میں «ی» لگا کر اس کو «انگریزی» بنایا گیا۔ پرانے لوگ «انگریز» کو «اِنگریز» کہتے تھے۔ یہ اسی پرتگالی تلفظ کا اثر ہے۔

قبیلہ Angles جرمنی سے آئے تھے۔ اس لیے ان کی زبان جرمن تھی، ظاہر ہے وہ ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی جرمن تھی۔ اس طرح انگریزی جرمن کی بہن ہے، اس لیے ان دونوں میں کافی مشابہت ہے۔ ذیل میں انگریزی کے کچھ الفاظ اور انکی جرمن شکلیں دی جاتی ہیں:

جرمن	انگریزی
Mutter	mother
Vater (تلفظ: فاٹر)	father
Bruder	brother
Schwester	sister
Tochter (تلفظ: ٹوخٹر)	daughter (قدیم تلفظ: ڈوغٹر)
Haar	hair
Jahr (تلفظ: یار)	year

یاد رہے کہ جرمن زبان میں تمام اسماء capital حرف کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

سنہ ۱۰۶۶ء میں فرانس کے ولیم فاتح (William the Conqueror) نے برطانیہ پر چڑھائی کی اور اس ملک پر قابض ہوگیا۔ تقریباً تین سو سال تک فرنچ برطانیہ میں عدالتوں کی زبان بنی رہی۔ اس دوران انگریزی میں ہزارہا فرنچ الفاظ داخل ہوگئے، اسی وجہ سے انگریزی جرمن زبان سے کافی مختلف ہوگئی۔

ہماری فہرست میں چوتھا لفظ «فرنچ» ہے۔ فرنچ لوگ اپنی زبان کو «فرانسے» Français کہتے ہیں۔ اسی سے اردو میں «فرانسیسی» آیا ہے، لیکن یہ لفظ بہت کم بولا جاتا ہے، زیادہ لوگ اس کو «فرنچ» کہتے ہیں جو اس کا انگریزی نام ہے۔

ہماری فہرست کا آخری لفظ «ولندیزی» ہے۔ بریطانوی حکومت کے دوران انگریزوں کی ایک East India Company تھی، اور اسی زمانے میں ہالینڈ کی بھی ایک East India Company تھی۔ ان دونوں کمپنیوں کے درمیان کافی حد تک منافست بھی تھی۔ لفظ «ڈچ» انگریزی ہے، لیکن انگریزوں کے زمانے میں اس معنی میں فرنچ کا لفظ زیادہ رائج تھا۔ اس ملک کا نام انگریزی میں Holland ہے، اور فرنچ میں Hollande جس کا پہلا حرف «h» پڑھا نہیں جاتا۔ اور اس ملک سے منسوب شخص یا زبان کو فرنچ میں Hollandais کہتے ہیں جس کا تلفظ ہے «اولندے» اور اس کا مونث ہے: «اولندیز» یہی لفظ «ولندیزی» کی شکل میں اردو میں رائج تھا۔

بعض الفاظ کے معنوں میں اتنی زیادہ تبدیلی آجاتی ہے کہ ان کے قدیم معنوں سے ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

مثالِ کے طور پر انگریزی کے لفظ cynosure کو لیتے ہیں۔ اس کا معنی ہے: مرجع نظر، مرکز توجہ، ایسی پرکشش چیز جس کی طرف لوگوں کی نگاہیں بار بار اٹھتی ہوں۔

یہ بہت ہی خوبصورت لفظ ہے۔ ملٹن کی مشہور نظم L'Allegro کے اس شعر نے اس کی خوبصورتی اور رعنائی میں چار چاند لگا دیے ہیں:

Where perhaps some beauty lies

The cynosure of neighbouring eyes

ایک خیالی پر فضا جگہ کا تصور پیش کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے: «جہاں شاید کوئی حسینہ بستی ہو جو پڑوسیوں کی مرجع نظر اور مرکز توجہ بنی ہوی ہو»۔

لیکن آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی اور مایوسی بھی کہ اس لفظ کا قدیم معنی بالکل مختلف ہے جس میں نہ خوبصورتی ہے نہ رعنائی، اس لفظ کا اصلی معنی ہے: «کتے کی دم»!۔

آپ چلا اٹھیں گے کہ بھلا اس پیارے لفظ کا کتے کی دم سے کیا تعلق؟ آپ کے اس سوال کا جواب اس لفظ کی تاریخ میں پنہاں ہے۔

لفظ cynosure دراصل ستاروں کے ایک مجموعے کا نام ہے۔ قدیم علماء ہیئت نے ستاروں کے اس مجموعے کو ایک کتے کی شکل میں دیکھا، اور اس مجموعے کے ایک نمایاں ستارے کو اس کتے کی دم قرار دیا۔

یہ یونانی لفظ ہے اور اس زبان میں اس کا املا یوں ہے: κυνοσουρα (kynosura)۔

یہ ستارا قطب تارا ہے، اور قطب شمالی کے عین اوپر واقع ہونے کی وجہ سے یہ اپنی جگہ ثابت رہتا ہے، اور اس کے موقع محل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ بنابریں

جہازرانی میں ملاحوں کو رہنمائی اسی ستارے سے ملتی ہے۔ اس لیے یہ ستارہ ملاحوں کا مرجع نظر اور مرکز توجہ بن گیا۔ اس طرح «کتے کی دم» میں یہ نیا معنی پیدا ہو گیا، اور لوگوں کی نظر سے اس کی پرانی تاریخ بالکل اوجھل ہو گئی، اور نئے معنی سے پرانے معنی کا تعلق بالکل ختم ہو گیا۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا؟

انگریزی کے عطر بیز لفظ perfume کا مطالعہ کریں تو اس سے دھواں نکلتا ہوا دکھائی دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں fume ہے جس کا معنی ہے دھواں، اور لفظ perfume کا قدیم معنی وہ خوشبودار دھواں ہے جو اگر وغیرہ جیسی خوشبودار لکڑی سے نکلتا ہے۔ شیکسپیر کے مندرجہ ذیل اقتباس میں perfume کے جلنے کا ذکر ہے۔

Three April perfumes in three hot Junes burned.(١)

بعد میں اس لفظ کے معنی میں تبدیلی آئی، اور اسے دھواں سے نجات ملی، اور اس لفظ کا اطلاق ہر عطر بیز چیز پر ہونے لگا۔ شیکسپیر کے ڈرامے Macbeth میں Lady Macbeth کہتی ہے:

Here's the smell of the blood still: All the perfumes of Arabia will not sweeten this little hand, oh, oh, oh.(١)

---

(١)Shakespeare's Sonnet No ١٠٤

یعنی: ابھی خون کی بو باقی ہے۔ عربستان کے تمام عطور اس چھوٹے سے ہاتھ میں خوشبو پیدا نہیں کر سکتے۔

لیکن آج کل اس لفظ کا اطلاق صرف مائع عطروں پر ہوتا ہے۔ اس بیچارے لفظ کو آگ سے پانی تک کا سفر کرنا پڑا۔

انگریزی لفظ salary بمعنی تنخواہ کی بھی عجیب تاریخ ہے۔ یہ اصلا لاطینی زبان کا لفظ ہے اور لفظ sal سے ماخوذ ہے۔ sal کا معنی ہے نمک۔ آپ پوچھیں گے بھلا تنخواہ کا نمک سے کیا تعلق؟ اس کا جواب رومن تاریخ سے وابستہ ہے۔ رومن فوج کے سپاہیوں کو نمک خریدنے کے لیے وقتاً فوقتاً جو رقم ملتی تھی وہ salarium کہلاتی تھی یعنی نمک الاؤنس۔ بعد میں یہی لفظ تنخواہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

آج کل لفظ «سرجن» بہت محترم لفظ ہے، ڈاکٹر کے ساتھ ہی اس کا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن اس کی اصل میں تعظیم و تکریم کا عنصر سرے سے غائب ہے۔ یہ لفظ اصلا یونانی ہے، اور اس کا املا یوں ہے Χειρουργος، اور اس کا لفظی معنی ہے «ہاتھ کا کام»!۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ڈاکٹر اور حکیم لوگ تو علاج دواؤں سے کرتے ہیں جبکہ سرجن صرف اپنے ہاتھ سے علاج کرتا ہے۔

---

(١)Macbeth, Act ٥, Scene ١.

بعض الفاظ کے حروف کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہو جاتی ہے، اور اس تبدیلی کی وجہ سے نئے الفاظ وجود میں آتے ہیں۔

اس کی ایک مثال لفظ «دہلی» ہے۔ اس لفظ کی اصل کے بارے میں مختلف باتیں بتائی جاتی ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ قرین قیاس یہ قول ہے کہ اس کی اصل سنسکرت کا لفظ (देहली (देहलि ہے۔ جس کا معنی ہے دہلیز، گویا یہ شہر Gangetic Plain کی دہلیز ہے۔

دہلی پر جو مظالم ڈھائے گئے اس میں سے کچھ اس کے نام کے حصہ میں بھی آیا۔ چنانچہ اس کے «ہ» کو مؤخر کر کے اس کو «دِلھی» کی شکل دے دی گئی، پھر اس «ہ» کو بالکل ہی ہڑپ کر لیا گیا، اور یہ لفظ سکڑ کر «دلّی» بن گیا۔

علامہ اقبال کابل اور دہلی کا مقابلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہزار مرتبہ کابل نکوتر از دلّی است

کہ آن عجوزہ عروس ہزار داماد است

یعنی: کابل دہلی سے ہزار مرتبہ بہتر ہے کیونکہ یہ بڑھیا (یعنی دہلی) ہزاروں دولہوں کی دلہن بنتی رہی ہے۔

یاد رہے کہ دوسرا مصرع حافظ شیرازی کا ہے جو انھوں نے دنیا کے بارے میں کہا ہے۔

ایک دوسری مثال «بنارس» کی ہے۔ سنسکرت میں اس کی اصل «وارانسی» ہے، اور یہ لفظ وہاں بہنے والی دو چھوٹی ندیوں «وَرُنا» اور «آسی» کے ناموں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے۔

«بنارس» میں پہلا حرف «و» بدل کر «ب» بن گیا ہے۔ نیز حروف کی ترتیب میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ حروف کی اصلی ترتیب باقی رہتی تو یہ لفظ «بنارس» کے بدلے «برانس» ہوتا، لیکن نطق کی سہولت کے پیش نظر «ن» کو «ر» سے پہلے کر دیا گیا۔

«خردہ» فارسی کا لفظ ہے جو اردو میں بھی مستعمل ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے: چھوٹا، اور یہ لفظ ریزگاری کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

«خردہ فروشی» کا معنی ہے: پھٹکل بیچنا، اور پرچوں بیچنے والے کو «خردہ فروش» کہتے ہیں۔ لیکن یہ لفظ جب ہندی میں داخل ہوا، تو «د» نے «ر» کو پیچھے دھکیل دیا، اور خود اس کی جگہ براجمان ہوگیا۔ اس دھکم دھکا کے بعد لفظ «خردہ» ہندی میں «خدرہ» खुदरा بن گیا۔

«زنجیر» فارسی لفظ ہے۔ یہ لفظ ترکی زبان کے ذریعے ماڈرن عربی میں داخل ہوا، تو اس نے اپنی شکل وصورت کے ساتھ ساتھ اپنا معنی بھی بدل دیا۔ مصر پہونچنے کے بعد «زنجیر» زنجیر نہ رہی، بلکہ «جنزیر» ہوگئی یعنی اس کا تیسرا حرف پہلا ہوگیا، اور پہلا تیسرا۔ یہ شکل وصورت کی تبدیلی ہے۔ معنی میں یہ تبدیلی آئی کہ اس کا اطلاق tank کی chain پر ہونے لگا۔ اسی بنا پر ایک قسم کی فوجی گاڑی کو «سیَّارۃ مُجنزَرۃ» کہتے ہیں جس میں پہیوں کی جگہ chain کا استعمال ہوتا ہے۔

میں نے اپنی کتاب «پردہ اٹھادوں اگر۔۔۔» میں تین ایسے الفاظ لکھے ہیں جن کے حروف کی ترتیب میں تقدیم تاخیر ہوی ہے، وہ یہ ہیں:

- «اسکندر» جو عربی میں «الإسکندر» ہے۔ یہ در اصل یونانی کا Alexander ہے، عربوں نے اس کے کاف کو سین کے بعد دھکیل دیا، ورنہ اس کی شکل «الإکسندر» ہوتی۔
- «قُلفی» جس کی اصل «قُفلی» ہے، اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قُلفی بنانے والے ظرف کو قفل سے بند کردیا جاہے۔
- «رطل» جس کی یونانی اصل «لطر» ہے، اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں litre کی شکل میں موجود ہے۔ اگر آپ اس کو لفظ کو غور سے دیکھیں تو صاف دکھائی دے گا کہ وہ پوری طرح پلٹ گیا ہے۔

کچھ الفاظ ایسے ہیں جن کے پیچھے جانور چھپے بیٹھے ہیں۔ آپ مثال طلب کریں گے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

لفظ «بزدل» میں ایک بکرا چھپا بیٹھا ہے۔ فارسی میں «بُز» کا معنی ہے بکرا۔ ڈرپوک کو «بزدل» کہتے ہیں گویا اس کا دل بکرے کے دل کی طرح کمزور ہوتا ہے۔

اہل یونان کے ناموں میں سے ایک نام «فِلِپ» ہے۔ سکندر اعظم کے باپ کا نام بھی فلپ تھا۔ اس نام میں ایک گھوڑا چھپا ہوا ہے۔ اس نام کا لفظی معنی ہے «گھوڑوں کو چاہنے والا»۔

یونانی میں یہ لفظ اس طرح لکھا جاتا ہے: Φιλιππος - یہ لفظ دو اجزاء سے بنا ہے:

۱. «فِلو» (φιλο) یعنی چاہنے والا، اور
۲. «ہِپُّوس» (ιππος) یعنی گھوڑا۔

اب گھوڑے کے کم نصیب رشتہ دار گدھے کی طرف آتے ہیں۔ فارسی میں اس کا نام «خر» ہے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ «خرگوش» میں ایک گدھا براجمان ہے کیونکہ «خرگوش» کا لفظی معنی ہے: گدھے جیسے کان والا۔

«خروار» میں بھی ایک گدھا ہے۔ اس لفظ کا معنی ہے: اتنا بوجھ جو گدھے کی پیٹھ پر لد سکے۔ مشہور محاورہ ہے: «مشتے از خروارے» یعنی خروار میں سے ایک مٹھی، مطلب یہ کہ بڑی مقدار میں سے تھوڑا سا نمونہ۔

«کنیری» (canary) ایک خوبصورت گانے والا پرندہ ہے۔ جسے لوگ گھروں میں پالتے ہیں۔ لیکن اس خوبصورت پرندے کا نام «کتے» سے ماخوذ ہے۔

اس پرندے کا وطن Canary Islands ہے۔ یہ سات جزیرے ہیں جو بحر اوقیانوس Atlantic Ocean میں ساحل مراکش سے ۱۰۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہیں۔ مشہور مؤرخ «پلینی» (Pliny the Elder) کا کہنا ہے کہ ان جزیروں کا نام Canaria اس لیے پڑا کہ ان میں بڑی تعداد میں دیو قامت کتے پائے جاتے تھے۔ یاد رہے کہ لاطینی زبان میں کتے کو canis کہتے ہیں، اور Canaria اسی سے مشتق ہے۔

اب دو ایسے انگریزی الفاظ پیش کر رہا ہوں جن میں سے جانور بھی جھانک رہے ہیں، اور بدن کے کچھ اعضاء بھی شامل ہیں۔

انگریزی میں ایک پھول کا نام ہے: dandelion در اصل یہ لفظ فرانسیسی زبان سے انگریزی میں آیا ہے۔ فرانسیسی میں اس کی شکل ہے: dent de lion

جس کا معنی ہے: شیر کے دانت۔ پھول کے دندانے دار پتوں کے پیش نظر اسے یہ نام دیا گیا ہے۔

اب اسی طرح کا ایک اور لفظ پیش خدمت ہے۔ لیکن اس کا ہیرو ایک پرندہ ہے۔ یہ لفظ انگریزی کا pedigree ہے، اور اس کا معنی ہے: شجرہ نسب۔ اس لفظ کا degree سے کوئی تعلق نہیں۔ کہا جاتا ہے: He has neither a degree nor a pedigree یعنی: اس کے پاس نہ کوئی علمی ڈگری ہے، اور نہ ہی خاندانی شرافت۔ یہ لفظ بھی اصلاً فرانسیسی ہے۔ قدیم فرنچ میں اس کی اصل تھی: pie de grue جس کا لفظی معنی ہے: «بگلے کا پاؤں»، اس لفظ میں شجرہ نسب کی لکیروں کو بگلے کی انگلیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اسی طرح کا ایک اردو لفظ ہے، اور وہ ہے «کُکّر مُتّا» جسے انگریزی میں mushroom کہتے ہیں، اور اس کی ایک قسم سبزی کی طرح پکا کر کھائی جاتی ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے «کتّے کا پیشاب»۔ شاید لوگوں کا خیال تھا کہ یہ نبات کتّے کے پیشاب سے اُگتا ہے۔

ہندی میں «کتّے» کو «کُکّر» بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ بنگالی میں «کُکّرہ»، اور مرہٹی میں «کُتْرا» ہے۔ سنسکرت میں اس کی اصل «کُکّرہ» कुक्कुर: ہے۔

بنگالی میں یہ لفظ کافی حد تک اپنی اصلی شکل میں باقی ہے۔ مرہٹی میں آدھی تبدیلی آئی ہے، اور ہندی کے «کیتھ» میں پوری۔

بدل بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لئے

ہوائی جہاز کا وہ چھوٹا سا کمرہ جہاں طیارچی بیٹھ کر جہاز چلاتا ہے، انگریزی میں cockpit کہلاتا ہے۔ گویا پایلٹ کے ساتھ وہاں ایک مرغا بھی براجمان ہے۔

cockpit کا لفظی معنی ہے: مرغوں کا کھڈا، ابتداء میں یہ کھڈا مرغ لڑانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ بعد میں اس کے معنی میں وسعت پیدا ہوی۔ اور پھر اس کا اطلاق جنگی جہاز کے اس نچلے حصے پر بھی ہونے لگا جہاں زخمیوں کی دیکھ بھالی کی جاتی تھی۔ پھر اس لفظ کی ترقی ہوی اور وہ سمندر سے ہوائی جہاز پہنچ گیا۔ اب اس لفظ سے مرغا نکل چکا ہے، اور صرف کھڈا باقی ہے، لیکن یہ ایک five-star کھڈا ہے۔

ایک اور لفظ بھی ہے جس میں مرغا جلوہ افروز ہے۔ اور وہ ہے «کاک ٹیل» انگریزی میں اس کا املاء ہے: cocktail، اور اس کا لفظی معنی: مرغے کی دم۔ اس لفظ کا اطلاق ایسے مشروب پر ہوتا ہے جس کا بنیادی جزء الکحل ہو اور اس کے ساتھ دو تین اور مشروب ملا دیے گئے ہوں۔

لیکن اس مشروب کا مرغے کی دم سے کیا تعلق ہے؟ جواباً عرض ہے کہ ان دونوں کے درمیان براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن دور کی رشتہ داری ہے۔

پہلے پہل دم کٹے گھوڑے کو cocktail کہتے تھے، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ گھوڑے کی کٹی ہوئی دم مرغے کی دم کی طرح اٹھی ہوی ہوتی ہے۔

چونکہ دم کٹا گھوڑا اصیل اور خالص النسل نہیں ہوتا، اس بنا پر لفظ cocktail میں یہ اضافی معنی بھی شامل ہو گیا۔ اور پھر اسی اضافی معنی کی بنیاد پر شرابوں کے آمیزہ کو «کوک ٹیل» کہا گیا کیونکہ اس آمیزہ کے اجزائے ترکیبی اب اپنی اصلی حالت پر نہیں رہے، گویا یہ اصیل اور خالص النسل نہیں رہے، اور اس کا ہر جز دوغلا اور دونسلا ہے۔

انگریزی لفظ Arctic کا معنی ہے: قطب شمالی سے متعلق جیسے Arctic Circle یعنی: قطبی دائرہ۔

آپ اس لفظ کو احتیاط سے استعمال کریں، اور اس کی قریب جانے سے احتراز کریں کیونکہ اس کے اندر ایک خطرناک جانور چھپا بیٹھا ہے، اور وہ جانور ہے: ریچھ جسے بعض لوگ «بھالو» بھی کہتے ہیں۔

آپ پوچھیں گے کہ اس لفظ میں ریچھ کس طرح گھس بیٹھا؟ اس سوال کا جواب ہمیں علم فلک دیتا ہے۔ کرہ ارضی کے شمالی سرے کے بالکل اوپر آسمان میں ستاروں کا جو مجموعہ ہے وہ عربی میں «دبّ اَصغر» کہلاتا ہے، اور انگریزی میں The Little Bear۔

ریچھ کو یونانی میں αρκτος (arktos) کہتے ہیں۔ اور اس مجموعہ نجوم کا نام بھی یہی ہے۔ چونکہ یہ مجموعہ قطب شمالی کے عین مقابل میں واقع ہے، اس لیے قطب شمالی کے اطراف واقع علاقے کو Arctic کہا جانے لگا، اور قطب جنوبی کے اطراف میں واقع علاقے کو Antarctic یعنی Arctic کا عکس۔

ذہن میں ایک سوال آسکتا ہے، وہ یہ کہ اس مجموعہ نجوم کو «دُبّ أصغر» یا The Little Bear کیوں کہا جاتا ہے، کیا بڑے ریچھ کے نام سے بھی کوئی مجموعہ پایا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ «دُبّ» کے نام سے دو مجموعے پائے جاتے ہیں۔ کرۂ ارضی کے شمالی سرے کے عین مقابل جو مجموعہ ہے وہ «دب أصغر» کہلاتا ہے۔ اور اس مجموعے کے نیچے کی طرف ایک کافی بڑا مجموعہ ہے جو عربی میں «دُبّ أکبر» کہلاتا ہے۔ اس کا انگریزی نام The Great Bear ہے، اور لاطینی نام Ursa Major۔

اگر آپ لفظ «تریاق» کا جائزہ لیں تو اس میں ایک سانپ رینگتا ہوا دکھائی دے گا۔ وہ اس لیے کہ قدیم زمانے میں تریاق کی تیاری میں سانپ کا گوشت استعمال ہوتا تھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: «پردہ اٹھادوں اگر۔۔۔»)۔

بعض الفاظ اشخاص کے ناموں سے ماخوذ ہیں۔ جنوب مشرقی ایشیا کا ملک «فلپین» شاہ اسپین فلپ دوم کے نام سے موسوم کیا گیا جس کے زمانے میں اسپین

کا اس ملک پر قبضہ ہوا تھا۔ اہل اسپین نے اس کا نام اپنی زبان میں Las Islas Filipinas رکھا جس کا معنی ہے: «فلپ سے منسوب جزیرے»۔

انگریزی میں لفظ mausoleum مقبرے کے لیے بولا جاتا ہے، لیکن یہ لفظ معمولی مقبرے کے لیے استعمال نہیں ہوتا، بلکہ اس کا اطلاق ایسے مقبرے پر ہوتا ہے جس کی بڑی شاندار عمارت ہو، اور جس میں کوئی اہم شخصیت مدفون ہو۔

دراصل یہ لفظ «کاریا» (Caria) کے بادشاہ Mausolus کی طرف منسوب ہے۔ ملک «کاریا» ترکی کے مغربی ساحل کے جنوب میں واقع تھا۔ جنوبی اور مغربی ساحل کے سنگم میں ایک شہر واقع تھا جس کا نام Halicarnassus تھا۔

شاہ مَوسُولُس کی وفات کے بعد اس کی بیوی Artemisia نے «ہالی کارناسوس» کے مقام پر اپنے شوہر کے لیے سنہ ۳۵۳ ق م ایک نہایت ہی شاندار مقبرہ بنایا تھا جو شاہ Mausolus کی نسبت سے mausoleum کہلایا۔ قدیم زمانے کے سات عجائبات میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ بعد میں اس لفظ کا اطلاق ہر شاندار مقبرے پر ہونے لگا۔

یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ اس قدیم شہر Halicarnassus کی جگہ آج کل کی ترکی میں شہر Bodrum واقع ہے، یہاں آج تک اس مقبرے کے آثار پائے جاتے ہیں۔

ایک تیسری مثال «گیلوٹین» (guillotine) کی ہے۔ یہ سر قلم کرنے کی ایک مشین ہے جو فرانس میں رائج تھی۔ یہ مشین ایک وزنی بلیڈ سے عبارت ہے جو دو عمودی ستونوں کے سہارے اوپر سے نیچے گرتا ہے، اور مجرم کا سر گردن سے جدا کر دیتا ہے۔

یہ آلہ ایک فرانسیسی طبیب Joseph-Ignace Guillotine کے نام سے موسوم ہے حالانکہ اس نے یہ آلہ نہیں بنایا، لیکن اس کی تجویز پر بنایا گیا تھا۔ وہ بعد میں سزائے موت کا مخالف بن گیا تھا، لیکن موت کا یہ آلہ اس کے نام سے مشہور ہو گیا۔

یہ بات لوگوں میں مشہور ہے کہ طبیب Guillotine کی موت اپنے ایجاد کردہ آلے کے ذریعے ہی ہوی، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس کے ایک ہمنام مجرم J. M.V.Guillotine کو گیلوٹیں کے ذریعہ سزائے موت دی گئی تھی۔ اس آلے کے موجد Guillotine کی موت طبیعی طور پر ۱۸۱۴ء میں ہوی، اور وہ پارس میں مدفون ہے۔

یہاں یہ بات بتانا بھی مناسب ہو گا کہ اس موت کے آلے سے مشابہ کاغذ کاٹنے کی ایک مشین بنائی گئی ہے، اور اس کا نام بھی guillotine ہے۔

اس لفظ کا ایک اور دلچسپ استعمال بھی ہے۔ برطانوی پارلمان میں کسی نئے قانون پر بحث کی مدت پر روک لگانا بھی گیلوٹین کہلاتا ہے، گویا اس اقدام کے ذریعہ لامحدود وقت کی گردن کاٹ دی جاتی ہے۔ اصطلاحاً اس اقدام کو to guillotine a bill کہا جاتا ہے۔

«بریل» (Braille) نابینا لوگوں کے لیے ایک نظام تحریر ہے۔ اس نظام میں حروف دبیز کاغذ پر ابھرے ہوئے نقطوں کی شکل میں ہوتے ہیں جن کو نابینا لوگ اپنی انگلیوں سے چھو کر پڑھ سکتے ہیں۔

لفظ «بریل» دراصل اس نظام کے فرانسیسی موجد کا نام ہے۔ اس کا پورا نام «لوی بریل» (Louis Braille) ہے جو ۱۸۰۹ء میں فرانس میں پیدا ہوا، اور ۱۸۵۲ء میں وفات پائی۔ بچپن میں ایک حادثے کی وجہ سے وہ دونوں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو گیا۔ اپنی معذوری کے باوجود اس نے تعلیمی میدان میں بڑی ترقی کی، اور فرانس کے Royal Institute For Blind Youth میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسے اسکالرشپ ملا۔

طالبعلمی کے زمانے ہی میں اس نے یہ نظام ایجاد کیا، اس وقت اس کی عمر ۱۵ سال تھی۔ اس نے اس نظام کو ۱۸۲۹ء میں پہلی بار شائع کیا، اور نظر ثانی کے بعد دوبارہ ۱۸۳۷ء میں شائع کیا۔

ایک پانچویں مثال انگریزی لفظ bowdlerize کی ہے، اس فعل کا معنی ہے: کسی کتاب سے ایسے الفاظ وعبارات کو حذف کر دینا ہے جو محقق کتاب کی نظر میں قابل اعتراض ہیں۔ کتاب کے ایسے ایڈیشن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ bowdlerized edition ہے۔

یہ لفظ Bowdler کی طرف منسوب ہے۔ اس محقق نے ۱۸۱۸ء میں اپنی بہن کے ذریعہ شیکسپیر کے ڈراموں کا ایک ایسا ایڈیشن شائع کیا جس میں سے اس نے ‹‹ایسی عبارتیں حذف کر دیں جو ایک خاندانی ماحول میں بہ آواز بلند پڑھی نہیں جاسکتیں››۔ اس ایڈیشن کا نام اس نے Family Shakspeare[1] رکھا۔

ایک آخری مثال ملاحظہ ہو۔ shrapnel ایک ایسے بم کو کہتے ہیں جو تیز لوہے کے ٹکڑوں، گولیوں وغیرہ سے بھرا ہوتا ہے۔ اور بم پھٹنے کے بعد یہ خطرناک عناصر دور دور تک پھیل جاتے ہیں۔ یہ لفظ دراصل اس خطرناک بم کے بنانے والے کا نام ہے۔ اس برٹش جنرل کا پورا نام ہے: General Henry Shrapnel (۱۷۶۱-۱۸۴۲)۔ اس نے Peninsular War کے زمانے میں یہ ہتھیار بنایا تھا۔

---

(۱) Shakespeare کا یہی صحیح املا ہے۔ لیکن بوڈلر نے اس کو حرف e کے بغیر Shakspeare لکھا تھا۔

یہ جنگ ۱۸۰۸ء سے ۱۸۱۴ء تک اسپین میں لڑی گئی جس میں ایک طرف فرانس تھا اور دوسری طرف برطانیہ، اسپین اور پورچگل تھے۔

بعض الفاظ میں مختلف عدد پوشیدہ ہوتے ہیں۔

«چہل قدمی» کا معنی ہوا خوری ہے، لیکن اس میں ایک عدد پوشیدہ ہے کیونکہ اس کا لفظی معنی ہے «چالیس قدم» گویا چہل قدمی کرنے والا چالیس قدم چلتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس لفظ میں «چالیس» کثرت پر دلالت کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

«میل» جو مسافت کی مقدار ہے، اور اردو میں بروزن «فیل» بولا جاتا ہے، انگریزی mile سے ماخوذ ہے۔ انگریزی میں یہ لفظ لاطینی سے آیا ہے۔ لاطینی میں اس کی اصل ہے mille (passus) یعنی ایک ہزار قدم۔ ہزار کے لیے لاطینی میں mille ہمارے لکھ پتی لفظ «ملین» (million) میں بھی موجود ہے۔

کنکھجورا کو «ہزار پا» بھی کہتے ہیں یعنی ہزار پاؤں والا۔ انگریزی میں یہ millipede کہلاتا ہے۔ یہ اصلا لاطینی لفظ ہے، اور اس کا لفظی معنی بھی ہزار پاؤں والا ہے۔

انگریزی میں کنکھجورے کی ایک قسم کو centipede کہتے ہیں۔ یہ بھی لاطینی لفظ ہے، اور اس کا لفظی معنی ہے: سو پاؤں والا۔

انگریزی لفظ noon کا معنی ہے: دوپہر۔ اس میں بھی ایک عدد پوشیدہ ہے۔ لاطینی میں اس کی اصل nona (hora) ہے جس کا معنی ہے نویں گھڑی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب دن کی ابتداء صبح ۳ بجے سے ہوتی تھی۔

«نومبر» میں بھی نو کا عدد ہے۔ آج کل یہ گیارھواں مہینہ ہے، لیکن یہ اس وقت نواں مہینہ تھا جبکہ سال کی ابتداء مارچ سے ہوا کرتی تھی۔

اسی طرح «ڈسمبر» میں دس کا عدد ہے، اور یہ پہلے دسواں مہینہ ہوا کرتا تھا۔

«دسہرا» میں بھی دس ہے۔ یہ تیوہار اسوج کی دسویں تاریخ کو منایا جاتا ہے۔

دس کے بعد پانچ والے الفاظ کا جائزہ لیتے ہیں۔

فارسی میں «پنجاب» کا معنی ہے پانچ پانی یعنی خطہ جس میں پانچ ندیاں بہتی ہیں۔

امریکی وزارت دفاع کا مرکز Pentagon کہلاتا ہے جس کا لفظی معنی ہے پانچ پہلو والی عمارت۔

چھوٹی آنت کے اگلے حصے کو انگریزی میں duodenum کہتے ہیں۔ یہ لاطینی لفظ ہے، اور اس کا لفظی معنی ہے: بارہ۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آنت کے اس حصے کی لمبائی بارہ انگلیوں کی چوڑائی کے برابر ہے۔

بعض الفاظ رنگین ہوتے ہیں، یعنی ان میں مختلف رنگوں پر دلالت کرنے والے عناصر پوشیدہ ہوتے ہیں۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جن میں ان رنگین عناصر کا دیدار عام ہوتا ہے جیسے: سرخی، سبزی، زردہ، بیاض، سیاہی وغیرہ۔ لیکن بعض الفاظ میں یہ عناصر اس قدر پوشیدہ ہوتے ہیں کہ ان کے دیدار کے لیے کافی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ بعض مثالیں ملاحظہ ہوں۔

«صہبا» کا معنی ہے سرخ شراب، اور مجازاً ہر قسم کی شراب کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ نسیم لکھنوی کہتے ہیں:

نیت میں تو ہے کہ پاؤں صہبائے طہور

اے شیخ یہ تیری پارسائی کیسی

عربی میں «صُہبة» یا «صُہوبة» کا معنی ہے زردی مائل سرخی، اور «أصہب» کا معنی ہے: جس کے اندر اس قسم کی سرخی پائی جائے۔ اور اس کی تانیث «صہباء» ہے جو اس رنگ کی شراب کے لیے بولا جاتا ہے۔

«أصهب» کی تصغیر ترخیم[1] «صهیب» ہے جو ایک مشہور صحابی کا نام ہے۔

«کبوتر» کے نام میں ایک رنگ پوشیدہ ہے، اور وہ ہے نیلا۔ فارسی میں نیلے رنگ کے لیے «کبود» بولا جاتا ہے:

گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود

کبوتر کے گلے میں جو نیلی پٹی ہوتی ہے، اس کی مناسبت سے اسے «کبوتر» کہا گیا ہے۔ سنسکرت فارسی کی بہن ہے، اور اس زبان میں کبوتر کو «کپوتَ» कपोत کہتے ہیں۔

ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق دیوتاؤں نے سمندر کو بلو کر جو زہر ہلاہل تیار کیا تھا وہ اس قدر مہلک تھا کہ اسے زمین و آسمان میں کسی بھی جگہ رکھا نہیں جا سکتا تھا۔ شیو جی نے اس کا حل یہ نکالا کہ زہر کو نگل کر اسے اپنے گلے میں محفوظ کر لیا جس کی وجہ سے ان کی گردن نیلی پڑ گئی، اور اسی مناسبت سے ان کا لقب «نیل کنٹھ» پڑ گیا یعنی نیلی گردن والے۔

بحر احمر کے مغربی ساحل پر Eritrea نامی ملک واقع ہے۔ دراصل یہ یونانی لفظ ہے، اور اس کا معنی ہے: سرخ۔ اس ملک کا نام بحر احمر کے نام سے ماخوذ ہے۔ بحر

---

(۱) تصغیر کی ایک قسم «تصغیر ترخیم» ہے جس میں لفظ کے کچھ حروف حذف کر دیے جاتے ہیں۔

احمر کا یونانی نام ہے: Ερυθρα Θαλασσα یعنی: سرخ سمندر، اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سمندر میں سرخ مرجانی پہاڑ پائے جاتے ہیں۔

یرقان کو ہندی میں «پیلیا» کہتے ہیں، اور انگریزی میں jaundice۔ یہ لفظ فرنچ سے انگریزی میں آیا ہے، اور یہ فرنچ لفظ jaune سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: زرد۔

یونانی میں «خلوروس» کا معنی ہے: ہرا رنگ۔ اسی سے chlorophyl (درختوں کو ہرا رنگ دینے والا مادہ)، chlorine، اور کلوروفام جیسے الفاظ لیے گیے ہیں۔

عربی کے بعض الفاظ کے آخر میں حرف «ی» ہوتا ہے جیسے: قاضی، خالی، فانی، وادی وغیرہ۔ ایسے اسماء عربی میں «منقوص» کہلاتے ہیں۔ حرف «ی» دو حالات میں لفظ کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ وہ حالات یہ ہیں:

۱. لفظ «ال» سے جڑا ہو جیسے: القاضی، الوادی۔

۲. یہ لفظ مضاف ہو جیسے: قاضِي مكّة (مکہ کا قاضی)۔

باقی حالات میں یہ حرف لفظ سے جدا ہو جاتا ہے۔

اردو میں یہ الفاظ اکثر «ی» کے ساتھ ہی آئے ہیں۔ لیکن بعض الفاظ میں یہ حرف عربستان ہی میں رہ گیا ہے۔ اس کی مثال ہے «نواح»۔

گرد سے پاک ہے ہوا، برگ نخیل دھل گئے

ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں

اردو میں بعض الفاظ دونوں طرح آئے ہیں، «ی» کے ساتھ بھی، اور «ی» کے بغیر بھی۔ اگر آپ کے پاس کسی کا قرض ہو، اور آپ نے اس کا کچھ حصہ ادا کر دیا ہے، تو کچھ حصہ «باقی» ہے، لیکن آپ پوری رقم ادا کر دیں گے تو آپ کا حساب «بے باق» ہو جائے گا۔ دیکھا آپ نے؟ جونہی پوری رقم ادا ہوی، «باقی» کی «ی» نے چھٹی لے لی، اور «باق» کو چھوڑ کر چلا گیا۔

ایک دوسری مثال «صاف» کی ہے۔ اس کی اصل «صافی» ہے۔ لیکن بات اگر صاف ہو، تو «ی» کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن یاد رہے کہ صفائی کے لیے «صافی» کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ «صافی» کپڑے کا وہ ٹکڑا ہے جس سے صفائی کی جاتی ہے، اور چولھے سے برتن اتارنے کے لیے بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے۔

بعض عربی الفاظ کے آخر میں ایک گول «ت» ہوتی ہے جو اس طرح لکھی جاتی ہے «ۃ»۔ اس کو عربی میں «التاء المربوطة» کہتے ہیں یعنی بندھی ہوی ت۔ اور دوسری ت کو «التاء المفتوحة» کہتے ہیں جس کا معنی ہے: کھلی ہوی ت۔

گول «ت» دو طرح سے پڑھی جاتی ہے۔ وقف کی حالت میں یہ «ہ» بن جاتی ہے، اور غیر وقف کی حالت میں «ت» جیسے اگر ہم صرف: «سورة» کہیں، تو یہ «ہ» کے ساتھ پڑھی جائیگی، لیکن اگر ہم «سورة الفاتحة» کہیں، تو یہ پہلے لفظ میں «ت» پڑھی جائیگی، اور دوسرے لفظ میں «ہ»۔

گول «ت» کی علامت بھی بہت دلچسپ ہے۔ چونکہ اس لفظ کے تلفظ میں «ت» اور «ہ» کی آوازیں شامل ہیں، اس لیے اس حرف کی شکل میں ان دونوں حرفوں کا لحاظ رکھا گیا ہے، یعنی اس حرف میں دونوں حرفوں کا کچھ حصہ شامل ہے، چنانچہ «ہ» میں حرف «ہ» کی شکل ہے، اور اس پر جو دو نقطے لگے ہیں وہ «ت» سے لیے گئے ہیں۔

گول «ت» والے اسماء اردو میں دونوں طرح آئے ہیں، یعنی «ت» کے ساتھ بھی اور «ہ» کے ساتھ بھی۔

جو الفاظ «ت» کے ساتھ آئے ہیں ان کی بعض مثالیں یہ ہیں:

صحت، قوت، فرحت، رحمت، غربت، لذت، محنت، شہرت وغیرہ

جو الفاظ «ہ» کے ساتھ آئے ہیں ان کی بعض مثالیں یہ ہیں:

آلہ، شعبہ، مدرسہ، مسئلہ، مشورہ، قارورہ، اسلحہ، تحفہ، حربہ وغیرہ

بعض الفاظ دونوں طریقوں سے آئے ہیں۔ اس کی دو مثالیں دی جاتی ہیں:

«دو منزلہ مکان» میں «منزلہ» کا لفظ «ہ» کے ساتھ آیا ہے۔ اور «قدر و منزلت» میں «ت» کے ساتھ۔

لفظ «دولت» جو مال کے معنی میں ہے «ت» کے ساتھ آیا ہے، لیکن وہی لفظ اگر ریاست کے معنی میں ہو تو پھر اس کے دو نقطے چھٹی لے کر ریاست کی سیر میں لگ جاتے ہیں جیسے: «آصف الدولہ»، «شجاع الدولہ»۔

«شکوہ» اور «شکایت» ہم معنی الفاظ ہیں۔ «شکایت» میں «ت» کو باقی رکھا گیا ہے تاکہ «شکوہ» میں جو پھس پھسی «ہ» ہے اس کی کمزوری کی تلافی ہو سکے۔

بعض الفاظ ایک ہی صیغے سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن ان میں سے کچھ «ت» کے ساتھ آئے ہیں۔ اور کچھ «ہ» کے ساتھ، جیسے:

«مقابلہ» «ہ» کے ساتھ کیا جاتا ہے، لیکن «مخالفت» اور «مداخلت» «ت» کے ساتھ کی جاتی ہے۔

«مناظرہ» «ہ» کے ساتھ ہوتا ہے اور «مفاہمت» «ت» کے ساتھ۔

جن الفاظ میں «ۃ» سے پہلے «الف» ہے، ان میں «ۃ» عموماً «ت» کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، جیسے:

وفات، حیات، ملاقات، مناجات، مساوات، مکافات، مفاجات۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

ذیل میں کچھ ایسے الفاظ کا ذکر ہے جن میں غرابت اور انوکھا پن ہے:

«ذات» ایک عربی لفظ ہے جس کے بہت سارے معانی ہیں لیکن اس کا مرکزی معنی ہے شخص، شخصیت جیسے «اللہ تعالی کی ذات» «ذاتی معاملہ» وغیرہ۔

لیکن جب ہم «ذات پات» کہتے ہیں تو اس میں عربی والی ذات نہیں ہے، بلکہ یہ ہندی کی «جات» ہے جسے اردو والوں نے اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔

«صد» فارسی کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: سو، جیسے «فی صد» میں ہے۔ پہلے یہ لفظ «س» کے حرف کے ساتھ «سد» لکھا جاتا تھا بعد میں فارسی زبان ہی میں اس کو «ص» کے ساتھ لکھا جانے لگا۔

میں نے بارہا کہا ہے کہ فارسی سنسکرت کی بہن ہے اور ان دونوں میں بے شمار الفاظ مشترک ہیں۔ ان میں سے ایک «سد» ہے۔ سنسکرت میں یہ لفظ «شت» शत کی شکل میں ہے۔ ہندی میں بھی یہ لفظ رائج ہے جیسے «فی صد» کے لیے ہندی میں «پرتی شت» کہتے ہیں۔

انگریزی لفظ nature (بمعنی فطرت) سے اردو میں «نیچری» کی اصطلاح بنی جس کا معنی ہے ایسا شخص جو دین کو قانون فطرت کی روشنی میں دیکھتا ہے، لیکن دلچسپی کی بات یہ ہے کہ علمائے کرام نے اس کی جمع خالص عربی طرز پر بنائی، چنانچہ ان کے پاس «نیچری» کی جمع ہے «نیاچرہ»۔ عربی میں اس قسم کی جمع آتی ہے جیسے:

- «أشْعَرِي» کی جمع «أشَاعِرَة»
- «منطقي» کی جمع «مناطقة»
- «مغربي» کی جمع «مغاربة»

انگریزی لفظ inflammable کا معنی ہے آتش گیر، قابل اشتعال، ایسی چیز جس میں تیزی سے آگ لگ سکتی ہے۔ ابتداء میں یہ لفظ پٹرول لے جانے والی گاڑیوں پر لکھا جاتا تھا۔ اب اس لفظ کی شکل میں تبدیلی آئی ہے۔ آج کل یہ لفظ inflammable کی بجائے flammable لکھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ traffic کے ذمہ داروں کو اندیشہ تھا کہ شاید لوگ اس لفظ کا معنی نا قابل اشتعال سمجھیں گے کیونکہ انگریزی کے بعض لفظوں میں in نفی کے لیے آتا ہے جیسے:

- capable/ incapable
- decent/ indecent

انگریزی میں مہین آٹے کو flour کہتے ہیں۔ لیکن یہ لفظ بہت پرانا نہیں ہے۔ یہ بعد کی ایجاد ہے۔ انیسویں صدی تک آٹے کے لیے flower کا لفظ بولتے تھے۔ یہ لفظ عام طور پر پھول کے لیے بولا جاتا ہے۔ لیکن اسی کا دوسرا معنی آٹا تھا۔ بعد میں ان دو معنوں میں فرق کی خاطر آٹے کے لیے flour کا لفظ استعمال کیا جانے لگا۔ یہ وہی لفظ ہے، لیکن اس کے املا میں تھوڑی سی تبدیلی کر دی گئی ہے۔

اردو میں «تمیز» ایک خوبصورت لفظ ہے جس کا معنی ہے ادب، شائستگی، عقل دانش وغیرہ۔ تمیز سے متصف انسان کو باتمیز یا تمیز دار کہتے ہیں، اور جو شخص تمیز سے متصف نہ ہو اس کو بد تمیز کہتے ہیں۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ «تمیز» در اصل عربی لفظ «تمییز» کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ عربی لفظ میں حرف «ی» مکرر ہے۔ اردو والوں کے لیے اس کا بولنا مشکل تھا، اس لیے انھوں نے ایک «ی» کو لفظ سے نکال باہر کر دیا۔ گویا تمیز کی ابتداء ہی بد تمیزی سے ہوئی۔

اب یہ بتانا باقی ہے کہ تمیز کا اصل معنی ہے فرق کرنا، اور برے بھلے میں فرق کرنا واقعی عقل و دانش کا کام ہے۔

«افراتفری» کا معنی ہے کھلبلی، پریشانی، گھبراہٹ۔

کیا یہ عربی لفظ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی اصل عربی ہے لیکن اسے اردو کی فیکٹری میں assemble کیا گیا ہے، اس لیے یہ made in India ہے۔ یہ

دو عربی لفظوں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے، اور ان کو جوڑنے سے پہلے ان دونوں میں کتر بیونت ہوئی ہے۔ وہ دو بدنصیب لفظ یہ ہیں:

- «افراط» جس کا معنی ہے حد اعتدال سے بڑھ جانا۔
- «تفریط» جس کا معنی ہے کسی کام میں کمی کرنا۔

ان دونوں لفظوں کے آخری حرف حذف کر دیے گئے ہیں۔

بعض الفاظ کے معانی تخیل پر مبنی ہوتے ہیں۔ اردو میں انتہائی بلندی کا مفہوم ادا کرنے کے لیے «فلک بوس» کا لفظ استعمال کرتے ہیں جیسے: «فلک بوس عمارت» جس کا معنی ہے کہ یہ عمارت اتنی اونچی ہے کہ آسمان کے بوسے لے رہی ہے۔ اردو کا یہ لفظ بہت مہذب ہے اور ایک رومانی تصور پیش کرتا ہے۔ اسی معنی میں انگریزی کا لفظ skyscraper ہے جس میں نہایت بھدا پن ہے کیونکہ اس کا معنی ہے آسمان کو کھروچنے والی عمارت۔ عربی کے «نَاطِحَةُ السَّحَاب» میں ایک طرف حقیقت پسندی ہے، تو دوسری طرف violence۔ حقیقت پسندی کی بات اس لیے کر رہا ہوں کہ اردو اور انگریزی والے اپنی عمارتوں کو سیدھے آسمان تک لے جاتے ہیں لیکن عربوں کی حقیقت پسندی دیکھیے کہ وہ اپنی عمارتوں کو صرف بادلوں تک پہنچانے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور violence کی بات اس لیے کر رہا ہوں

کہ عربی عمارتیں نہ بوسہ لیتی ہیں اور نہ کھروچتی ہیں بلکہ سیدھے سینگ مارتی ہیں۔ یاد رہے کہ «نَاطِحَةُ السَّحَاب» کا معنی ہے بادلوں کو سینگ مارنے والی عمارت۔

عربی عمارتوں کی دیکھ بھال میں کافی جھنجھٹ بھی ہوتی ہوگی کیونکہ ہر عمارت کی چھت پر دو ایک گائے بیل کا انتظام بھی کرنا پڑے گا۔

انگریزی لفظ respectable میں بھی کافی تخیل ہے۔ اس کا معنی ہے قابل احترام۔ یہ لفظ اصلاً لاطینی ہے، اور اس کا لفظی معنی ہے: دوبارہ دیکھنے کے قابل۔

یہ بالکل حقیقت پسندانہ لفظ ہے۔ جب کوئی اہم شخصیت گذرتی ہے تو ہر شخص پلٹ کر اس کو دوبارہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

«آبرو» فارسی لفظ ہے، اور اس کا معنی ہے: عزت، وجاہت، قدرومنزلت۔ فارسی میں اس کا لفظی معنی ہے: چہرہ کا پانی یعنی رونق۔ فارسی کے شاعر صائب کہتے ہیں:

در حفظ آبروز گہر باش سخت تر

کیں آب رفتہ باز نیاید بجوی خویش

یعنی: آبرو کی حفاظت میں ہیرے سے زیادہ سخت بن جا کیونکہ یہ پانی چلا جائے تو واپس نہیں آتا۔

عربی میں اس کا ترجمہ «مَاء الوَجه» سے کیا گیا ہے۔ عزت کی حفاظت کے لیے «صَانَ مَاءَ وَجهِهِ»، اور مادی فائدے کی خاطر ذلت قبول کرنے کے لیے «أَرَاقَ مَاءَ وَجهِهِ» کی اصطلاح رائج ہے۔

آخر میں جرمن زبان کے دو لفظوں کا ذکر ہے جن میں بھی تخیل کارفرما ہے۔ جرمن میں vacuum cleaner کے لیے Staubsauger کا لفظ مستعمل ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے دھول نگلنے والا۔

اور دستانے کا جرمن نام ہے Handschuh جس کا لفظی معنی ہے: ہاتھ کے جوتے۔

ہر زبان کی مختلف بولیاں ہوتی ہیں جن کو انگریزی میں dialects اور عربی میں لہجات کہتے ہیں۔ بولیوں میں بعض الفاظ و معانی کا فرق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر امریکی انگریزی میں lift کو elevator، اور petrol کو gas کہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک انگریز نے «پٹرول» کہا تو امریکی نے اعتراض کیا، اور کہا یہ پٹرول نہیں «گیس» ہے۔ انگریز نے کہا: کہ زبان ہم نے بنائی ہے، اس لیے ہمارا وضع کردہ لفظ ہی معتبر ہے۔ امریکی نے کہا: کار ہم نے بنائی ہے اس لیے ہماری اصطلاح ہی چلے گی۔

یہ اختلاف معانی کی مثال تھی، اب تلفظ کے اختلاف کی بھی کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں۔ عربی کا جو حرف «ق» ہے وہ مصری لہجے میں ہمزہ پڑھا جاتا ہے۔ چنانچہ مصری «قال» کو «آل» اور «قہوہ» کو «اہوہ» کہتے ہیں۔ جامعہ ازہر میں داخلے کے وقت طالب علم کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اس امتحان کے لیے پانچ علماء کی کمیٹی بنائی جاتی ہے۔ مجھے بھی یہ امتحان دینا پڑا تھا۔ امتحان جب شروع ہوا تو کمیٹی کے چیرمین نے مجھ سے کہا: «ائرأ»۔ میں سمجھا نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ کمیٹی کے ایک ممبر نے میری مدد کی اور کہا: الشیخ یقول اقرأ ۔ تب میں سمجھا اور پڑھنے لگا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ میرے سامنے سوڈان میں پیش آیا۔ رات کا وقت تھا، ایک مصری نے ایک سوڈانی سے پوچھا: أین السوق؟ یعنی بازار کہاں ہے؟ لیکن مصری نے اپنے لہجے کے مطابق «السوق» کو «السوء» کہا۔ یاد رہے کہ «السوء» کا معنی برائی ہے۔ سوڈانی نے غصے سے کہا: «السُّوءُ في بَلَدِكَ» یعنی برائی تیرے ملک میں ہے۔

آسٹریلیا کی انگریزی میں today (آج) کو to die بولتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ایک انگریز سیاح آسٹریلیا میں بے ہوش ہو گیا۔ اس کو ہسپتال میں جب ہوش آیا تو اس نے کہا Did I come here to die? (کیا میں آسٹریلیا مرنے کے لیے آیا ہوں؟)۔

نرس نے کہا: No, you came here yesterday (نہیں تم کل آئے تھے)۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ نرس نے to die کو today سمجھا۔

بولیوں کے اختلاف کی وجہ سے چھوٹی موٹی غلط فہمیاں تو ہوتی رہتی ہیں لیکن بسا اوقات ان کی وجہ سے جان لیوا حوادث کے وقوع کا بھی امکان ہے۔ عربی بولیوں کے اختلاف کی وجہ سے ایک ایسا ہی واقعہ تاریخ میں پیش آیا۔

جزیرۂ عرب کے شمالی علاقوں میں عربی کی جو بولیاں بولی جاتی تھیں ان کے درمیان اختلاف ضرور تھا لیکن کوئی اتنا بڑا اختلاف نہیں تھا جس سے کسی کی جان چلی جائے۔

لیکن جزیرۂ عرب کے جنوب میں جو اہم بولی بولی جاتی تھی وہ حمیری کہلاتی تھی وہ عربی سے کافی مختلف تھی۔

کہا جاتا ہے کہ شمالی عرب سے ایک سفیر جنوب کے لیے بھیجا گیا۔ وہ جب ظفار[1] پہنچا تو وہاں کا بادشاہ شکار کی غرض سے پہاڑ پر گیا ہوا تھا۔ سفیر بھی وہیں پہنچ کر اپنے اوراق اعتماد پیش کرنے لگا۔ بادشاہ نے اس سے کہا «ثب» یعنی: بیٹھیے۔ عربی میں اس لفظ کا معنی ہے «کود جا» یا «کود پڑ»۔ سفیر نے کہا: جہاں پناہ، آپ مجھے فرماں بردار پائیں گے۔ یہ کہہ کر وہ کود پڑا اور مر گیا۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ عربی میں «ثب» کا معنی یہی ہے۔ بادشاہ کا جواب اب ضرب المثل بن گیا ہے۔ اس نے کہا: «مَا عندنا عربيت، من دخل ظفار حمَّر» یعنی: ہمارے ہاں عربی زبان نہیں چلتی، جو ظفار آئے اس کو تو حمیری بولنا چاہیے۔

اردو کی بولیوں کے اختلاف کی وجہ سے بھی اس قسم کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اتر پردیش کے میرے ایک دوست نے مجھ سے شکایت کی۔ کہا: مدراس کے لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں۔ کسی سے مل کر جب جانے لگتے ہیں تو کہتے ہیں میں آتا ہوں۔ میں نے کہا: جناب، یہ تو از روئے فال نیک کہا جاتا ہے۔ جانے میں انقطاع ہے اور آنے میں اتصال۔ لیکن اس باب میں گلہ دو طرفہ ہے، اور مشکلات و مصائب مشترک۔ ایک بار ایک صاحب کا ٹیلیفون آیا، کہا: کہ ہم لکھنو سے آئے ہیں اور آپ سے ملنے کے لیے تھوڑی دیر میں آپ کے یہاں آرہے ہیں۔ کھانے کا وقت

---

(۱) ظفار آج کل کے عمان کی مغربی سرحد پر حضرموت کے قریب ہے۔

قریب تھا، اور ضیافت کی تیاری کے لیے مہمانوں کی تعداد کا پتا چلنا ضروری تھا۔ ویسے أقل الجمع اثنان ہے، لیکن اس کی حد اعلی کا تعین ممکن نہیں۔ قرائن کی مدد سے ہی یہ کام انجام پا سکتا ہے۔

چنانچہ میں نے پانچ مہمانوں کا اندازہ لگایا ۔ تھوڑی دیر بعد گھنٹی بجی اور میں ان کے استقبال کے لیے باہر نکلا تو دیکھا کہ صرف ایک صاحب کھڑے ہیں۔ میں نے کہا: جناب، آپ نے تو کہا تھا ہم آ رہے ہیں۔ تو انہوں نے بڑے اطمینان سے کہا: ہم ہی تو آئے ہیں۔

ہمارے یہاں جنوب میں صرف تین چیزیں کڑوی ہوتی ہیں: ایک کریلا نیم چڑھا، دوسری دوا، اور تیسری حق بات۔

یوپی میں ایک چوتھی چیز بھی کڑوی ہوتی ہے، وہ ہے مرچ۔ ہمارے یہاں مرچ تیز ہوتی ہے، کڑوی نہیں ہوتی۔ فیروز اللغات کے مصنف نے بھی اس کی صفت تیز ہی بتائی ہے۔ کہتے ہیں: مرچ ایک پھل جو عموما سرخ لیکن زرد، سیاہ اور سفید بھی ہوتا ہے۔ اس کا مزہ بہت تیز ہوتا ہے۔

ہو سکتا ہے یوپی والے مرچ کا بگھار حق بات کے ساتھ کرتے ہوں۔

الفاظ و معانی کی یہ داستان کافی طویل ہوگئی ہے۔ لیکن میرا عذر یہ ہے کہ یہ دلچسپ ہے، اور امید ہے کہ آپ بھی اس دلچسپی سے محظوظ ہوے ہونگے۔ لذت حکایت طوالت کی شکایت کا ازالہ ہے۔

لذیذ بود حکایت، دراز تر گفتم

چنانکہ حرف عصا گفت موسی اندر طور

کتاب کے قاری سے

بگیر این همه سرمایه ی بهار از من
که گل بدست تو از شاخ تازه تر ماند

علامہ اقبال رحمہ اللہ

اتاشی

سفارت خانے کا اہلکار جو مندرجہ ذیل کسی شعبے کا ذمہ دار ہو:

فوجی امور، ثقافتی امور، پریس، تجارت وغیرہ۔ یہ لفظ فرانسیسی ہے اور اس کا املا یوں ہے: attaché۔ یاد رہے کہ فرانسیسی زبان میں ch کا تلفظ «ش» ہے۔

attaché کا لفظی معنی ہے: کسی ادارے سے منسلک، یہی معنی انگریزی لفظ attached میں بھی پایا جاتا ہے، یعنی مُلحق۔ اسی بنا پر آج کل کی عربی میں اتاشی کے لیے «مُلحق» کی اصطلاح مستعمل ہے، جیسے:

المُلحَق الثّقافِيُّ	cultural attaché
المُلحَق العَسكَريُّ	military attaché
المُلحَق الدِّينِيُّ	religious attaché
المُلحَق التِّجارِيُّ	commercial attaché

عربی میں ملحق کے دفتر کو مُلْحَقِيَّة کہتے ہیں۔

اتوار

اتوار: ہفتے کا پہلا دن۔

سنسکرت میں اس کی اصل ہے « آدِتْيَ وار »، یہ دو لفظوں کو ملا کر بنا ہے، اور وہ ہیں: « آدِتْيِ » आदित्य جس کا معنی ہے سورج، اور « وار » वार: جس کا معنی ہے ہفتوں کے دنوں میں سے ایک۔

سنسکرت میں ہفتے کے ساتوں دن اجرام فلکی کے ناموں سے موسوم ہیں، اور ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق یہ اجرام فلکی دیوتا ہیں۔

انگریزی اور بعض دیگر یورپی زبانوں میں بھی دنوں کے نام اجرام فلکی کے ناموں سے موسوم ہیں، چنانچہ انگریزی میں « اتوار » کا نام Sunday ہے۔

ہفتے کے دوسرے دن کا نام « سوم » सोम: یعنی چاند کے نام سے موسوم ہے، انگریزی کے Monday میں بھی چاند کا ہی ذکر ہے، قدیم انگریزی میں اس کی شکل mōnandag تھی، یہی mōna آج کل کی انگریزی میں moon بنا ہے۔

تیسرے دن کا نام سیارہ مریخ سے موسوم ہے جس کا نام سنسکرت میں « منگل » मंगल ہے، ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق یہ ستارہ یمن وسعادت اور نیک فال کا دیوتا ہے، اس لیے ہندی میں منگل بمعنی سعید ومبارک ہے، اور « امنگل » اس کا عکس۔

انگریزی کا Tuesday قدیم انگریزی کے Tiwesday سے ماخوذ ہے، قدیم جرمن زبان میں Tiwes مریخ کا نام ہے۔

چوتھا دن بدھ وار، سیارہ بدھ बुध یعنی عطارد Mercury کی طرف منسوب ہے۔

انگریزی کا Wednesday قدیم انگریزی کے wodnesday سے ماخوذ ہے، یعنی ووڈن کا دن، یہ woden قدیم جرمن اقوام کا اہم دیوتا تھا۔

پانچواں دن برہسپتی وار बृहस्पति سیارہ مشتری کی طرف منسوب ہے، جو سنسکرت میں « برہسپتی » کہلاتا ہے۔

انگریزی کا Thursday قدیم انگریزی میں Thunresday تھا یعنی Thunres کا دن، یہ Thunres قدیم انگریزوں کے مطابق بجلی کی کڑک thunder کا دیوتا تھا۔

چھٹا دن شکر وار سیارہ زہرہ Venus کی طرف منسوب ہے جس کا نام سنسکرت میں « شکر » शुक्रः ہے۔

انگریزی کا Friday قدیم انگریزی میں Frigeday تھا، یعنی Frig کا دن، جرمن اقوام کے عقیدے کے مطابق Frig مذکورہ بالا Woden دیوتا کی بیوی تھی۔

ساتواں دن شنی وار سیارہ زحل کے نام سے موسوم ہے جس کا نام سنسکرت میں « شنی » शनि ہے۔

اس دن کا اور ایک نام « سنیچر » ہے، جو اردو میں استعمال ہوتا ہے، سنسکرت میں اس کی اصل « شَنَیشچر » शनैश्चर ہے جس کا لفظی معنی ہے دھیرے دھیرے چلنے والا، یہ لفظ بھی اس ستارے کا نام ہے۔

انگریزی کے Saturday میں جو Satur ہے وہ لاطینی لفظ Saturnus کا مخفف ہے، اور یہ سیارہ زحل کا نام ہے۔

اُقلیدِس

علم ریاضیات کی ایک شاخ جس کو انگریزی میں geometry کہتے ہیں۔ یہ لفظ دراصل اس علم کے بانی کا نام ہے جو مصر کے شہر اسکندریہ کا باشندہ تھا۔ اور اس کی وفات ۳۰۰ ق م میں ہوئی۔

اس لفظ کا املاء یونانی زبان میں یوں ہے Ευκλειδης، اور اس کا تلفظ ہے: « اُویکلای دیس »، یہ لفظ عربی میں « اقلیدِس » کی شکل میں منتقل ہوا۔ اس لفظ میں واو بڑھا کر اسے « اوقلیدس » بھی لکھتے ہیں۔ عربی کی مشہور لغت القاموس المحیط میں یہ لفظ واو ہی کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

تیسری صدی ہجری میں تین چار مترجمین نے اقلیدس کی کتاب کا عربی ترجمہ کیاہے۔ اور اسکی پندرہ سے زائد شروحات لکھی گئیں۔ انگریزی میں یہ لفظ Euclid کی شکل میں بولا جاتا ہے۔

اُمُّ القُری

اس کا لفظی معنی ہے «شہروں کی ماں» اور یہ لفظ قرآن شریف میں مکہ مکرمہ کے لیے آیاہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿وَلِتُنذِرَ أُمَّ ٱلْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (الأنعام:٩٢) یعنی: «تا کہ آپ بستیوں کے مرکز اور اس کے گرد رہنے والوں کو متنبہ کریں»۔

«قُری» لفظ «قریہ» کی جمع ہے۔ آج کل «قریہ» کا اطلاق گاؤں پر ہوتا ہے۔ لیکن قدیم عربی میں اس کا معنی ہے «آبادی»، «شہر»، «بستی»۔

«ام القری» ایک خوبصورت لفظ ہے، اور ایک نہایت ہی خوبصورت تخیل پر مبنی ہے۔ علاقے کے سب سے اہم اور مرکزی شہر کو اطراف کے چھوٹے شہروں کی ماں قرار دیا گیاہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اہل یونان میں بھی یہی تخیل کارفرما تھا۔ چنانچہ انہوں نے مرکزی بستی کو metropolis کا نام دیا، اور اس کا لفظی معنی بھی «شہروں کی ماں» ہے۔

ایڈز

اس زمانے کی ایک مہلک بیماری۔

انگریزی میں اس کی اصل aids ہے، یہ اس طرح بھی لکھا جاتا ہے AIDS۔

اس مرض کا پورا توصیفی نام حسبِ ذیل ہے:

Acquired immune deficiency syndrome

یعنی مرض جس کا سبب کسی قوت مدافعت میں کمی واقع ہونا ہے۔ اس توصیفی نام میں استعمال ہونے والے الفاظ کے پہلے حروف کو جوڑنے سے لفظ AIDS بنتا ہے۔

انگریزی میں اس طرز کے بہت سارے الفاظ بنے ہیں جن کی کچھ مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں:

Radar	*Ra*dio *d*etecting *a*nd *r*anging
Unesco	*U*nited *n*ations *e*ducational, *s*cientific & *c*ultural *o*rganization.
Laser	*L*ight *a*mplification (and) *s*imulated *e*mission (of) *r*adiation.
IATA	*I*nternational *A*ir *T*ransport *A*ssociation.

اس طریقے سے بنے ہوئے لفظ کو انگریزی میں acronym کہا جاتا ہے، جس کا معنی ہے پہلے حروف سے مل کر بنا ہوا لفظ۔

اردو میں اس کا کوئی نام نہیں ہے، میں نے اس کو ایک اچھا سا نام دیا ہے، وہ ہے: «پہل لفظ»، یہ لفظ خوبصورت بھی ہے اور بولنے میں آسان بھی، امید ہے کہ اہل اردو اسے کو پسند کریں گے۔

ایلیزابتھ

انگریزی میں عورتوں کا نام ہے۔ برطانیہ کی حالیہ ملکہ کا نام بھی یہی ہے۔
یہ دراصل عبرانی نام کی بگڑی ہوی شکل ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی اہلیہ کا نام ایلی شبع تھا۔ عبرانی میں اس کا املاء یوں ہے: אלישבע اور اس کا معنی ہے:«میرا رب قسم ہے» یعنی قسم اسی کی کھائی جا سکتی ہے۔
تیسری صدی قبل مسیح میں توریت کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسکندریہ کے یہودی اس زمانے میں عبرانی سے ناواقف تھے، اور وہاں یونانی زبان رائج تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس ترجمے کو بہتر (۷۲) یہودی علماء نے مل کر انجام دیا تھا، اسی بنا پر یہ ترجمہ «سبعینی ترجمہ» کہلاتا ہے، اور انگریزی میں اس کا نام Septuagint ہے۔

اس ترجمے میں بہت سارے عبرانی ناموں میں تحریف اور تبدیلی آئی ہے۔
اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یونانی میں عبرانی زبان کے بہت سارے حروف نہیں پائے جاتے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی اہلیہ کا نام ‹‹ایلی شبع›› بھی حروف کے سلسلے میں یونانی کی تنگ دامانی کا شکار بنا، اور یہ نام بدل کر Ελισαβεθ (ایلی سابث) بن گیا۔ یونانی زبان میں ‹‹ش›› اور ‹‹ع›› نہیں پائے جاتے۔ اس لیے مترجمین نے ‹‹ش›› کی جگہ ‹‹س›› رکھا، اور ‹‹ع›› کی جگہ ‹‹ث››۔ انگریزی میں آکر یہ لفظ Elizabeth بن گیا۔ یاد رہے کہ انگریز ‹‹th›› کو ‹‹ث›› پڑھتے ہیں جبکہ برصغیر کی انگریزی میں یہ ‹‹تھ›› پڑھا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی بتانا مناسب ہوگا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ کا نام بھی ایلی شبع تھا۔ انجیل کے یونانی نسخے میں ان کا نام Ελισαβετ لکھا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: انجیل لوقا ۱:۵) یعنی ‹‹th›› کے بجائے صرف ‹‹t›› کے ساتھ۔ عرب نصاری حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ کو ‹‹أليصابات›› کہتے ہیں، اور حضرت ہارون علیہ السلام کی اہلیہ کو ‹‹أليشابَع›› ۔ دراصل ان دونوں کا نام ایک ہے، لیکن نصاری نے ان کو الگ الگ نام دے دیے۔

بالکل

یہ ایک ایسا لفظ ہے جو ہر کس وناکس بولتا ہے، خواہ عالم ہو یا جاہل۔ یہ کسی بات پر اتفاق کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے۔ جیسے آپ اپنے دوست سے کہیں: کیا آپ میرے ساتھ چلیں گے؟ وہ کہیں گے: بالکل جناب۔

یہ لفظ عربی ہے۔ لیکن عربی میں اس شکل اور اس معنی میں بولا نہیں جاتا گویا کہ یہ made in India عربی ہے۔ اردو والوں نے عربی کے دو لفظوں کو ملا کر بنالیا ہے۔ پہلا لفظ حرف «ب» ہے جو یہاں «میں» کے معنی میں ہے، اور دوسرا «کل» جس کا معنی ہے «سب، تمام، ہر»، تو دونوں کا معنی ہوا: تمام چیزوں میں، ہر پہلو سے، ہر بات میں۔

اردو میں اس طرح کے اور بھی کچھ الفاظ ہیں۔ وہ عربی عناصر سے اردو میں بنائے گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ درجِ ذیل ہیں:

- مِن وعَن: یعنی جوں کا توں۔
- ہو بہو: یہ بھی اس معنی میں ہے۔ عربی میں «هُوَ هُوَ» کہیں گے۔
- مِن جُملہ: یعنی تمام میں سے۔ کُل میں سے۔ یہ لفظ «من» بمعنی «سے» اور «جملہ» بمعنی «تمام» کا مرکب ہے۔

○ آناً فاناً: جس کا معنی ہے «ایک لمحہ میں، یکایک»۔ «آن» عربی میں وقت کے معنی میں ہے، کہتے ہیں: «وَصَلنَا فِي آنٍ وَاحِدٍ» یعنی: ہم ایک ہی وقت پہنچے۔ اگر «آناً فاناً» عربی میں ہوتا تو یوں ہوتا «آناً فآناً» یعنی لمحہ بہ لمحہ۔ یہ لفظ خود اردو میں بھی مستعمل ہے، جیسے: آن کی آن میں دنیا بدل گئی۔

بپتسما

بپتسما: عیسائی مذہب میں داخل ہونے کی علامت کے طور پر عیسائی قبول کرنے والے کے سر پر پانی کے چھینٹے ڈالنا، یا اس پر پانی بہانا۔

اس لفظ کو «الف» کی بجائے «ہ» کے ساتھ بھی لکھا جاتا ہے، بابائے اردو مولوی عبد الحق صاحب کی The Standard Urdu English Dictionary میں یہ لفظ اسی طرح لکھا گیا ہے۔

فیروز اللغات کی عبارت سے ایسا لگتا ہے کہ اس کے مصنف اس لفظ کو انگریزی baptism سے ماخوذ سمجھتے ہیں، آکسفرڈ کی ہندی انگلش ڈکشنری کہتی ہے کہ یہ پرتگالی baptism سے ماخوذ ہے، یہ دونوں قول صحیح نہیں ہیں۔

دراصل یہ یونانی لفظ ہے، اور اس کی املا ہے βαπτισμα۔ یونانی زبان میں bapto کا معنی ہے ڈبونا، کسی چیز کو پانی میں بھگونا۔

اس کا مصدر ہے baptisma جو انگریزی میں baptism اور پرتگالی میں baptismo کی شکل میں مستعمل ہے، یورپ کی کئی زبانوں میں یہی لفظ کم و بیش اسی صورت پایا جاتا ہے، پھر انہیں یورپی زبانوں کے ذریعہ یہ لفظ دنیا کی بے شمار زبانوں میں داخل ہوا ہے، ہندوستان میں یہ لفظ پادریوں کے ذریعہ آیا ہے۔

مذکورہ بالا یونانی لفظ کا ایک معنی رنگنا بھی ہے، اسی مناسبت سے عربی میں بپتسما کو «صَبْغٌ» بھی کہتے ہیں جس کا اصل معنی ہے رنگنا ہے، اسی سے لفظ «صِبْغَة» آتا ہے جس کا معنی رنگ ہے، بنابریں بعض مفسرین کا خیال ہے کہ آیت کریمہ ﴿ صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ﴾ (البقرة : ۱۳۸) یعنی: «اللہ کا رنگ اختیار کرو، اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے؟» میں اسی عیسائی رسم «بپتسما» کی طرف اشارہ ہے، اس ضمن میں دو مفسرین کے اقوال بیان کیے جاتے ہیں۔

۱. امام طبری کہتے ہیں «صِبغَةٌ» یعنی رنگ سے اللہ تعالی کی مراد اسلام کا رنگ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نصاری جب اپنے بچوں کو اپنے دین میں داخل کرنا چاہتے ہیں تو وہ ان کو اپنے ایک خاص قسم کے پانی میں ڈال

دیتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس عمل سے ان بچوں کے اندر تقدیس پیدا ہوگی، ان کے یہاں یہ عمل ایسا ہی ہے جیسے مسلمانوں میں غسل جنابت، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ پانی میں ڈبونے کا یہ عمل ان بچوں کو نصرانیت کے رنگ میں رنگ دیتا ہے»۔

٢. امام قرطبی کہتے ہیں: «مجاہد، حسن، ابو العالیہ، اور قتادہ سے روایت ہے کہ «صِبغَةٌ» سے مراد دین ہے، اس کی اصل یہ ہے کہ نصاری اپنے بچوں کو پانی میں ڈبو کر رنگتے تھے، یہ پانی «بپتسما» کا پانی کہلاتا تھا، اور کہتے ہیں کہ یہ بچوں کو پاک کرتا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جب نصاری کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے اور وہ سات دن کا ہو جاتا ہے تو وہ اس کو ایک خاص قسم کے پانی میں ڈبوتے ہیں، اس پانی کا نام «بپتسما» کا پانی ہے، اس پانی سے اس بچے کو رنگتے ہیں تاکہ وہ پاک ہو جائے، یہ عمل ان کے یہاں ختان کے مساوی ہے، کیونکہ ختان میں پاکی ہے، اس عمل کے بعد کہتے ہیں کہ اب یہ بچہ پوری طرح نصرانی ہوگیا ہے. اللہ تعالی نے اس کے رد میں کہا ﴿ صِبۡغَةَ ٱللَّهِ ﴾ اللہ کا رنگ سب سے اچھا رنگ ہے، اور وہ اسلام ہے۔اس طرح مجازا دین کا نام صِبغَةٌ ہوگیا، وہ اس ناحیے سے کہ دین دار پر

دین کے اعمال اور اس کی چھاپ نظر آنے لگتا ہے، اسی طرح جس طرح رنگ کا اثر کپڑے پر نظر آتا ہے»۔

براز

یہ لفظ کبھی بھی الگ سے نہیں بولا جاتا۔ بلکہ ہمیشہ «بول وبراز» کے مجموعے میں استعمال ہوتا ہے۔ «بول» کا معنی ہے پیشاب و «براز» کا معنی ہے پاخانہ۔

اس لفظ کے اندر کچھ تاریخ ہے اور کچھ جغرافیہ۔ قدیم زمانے میں قضائے حاجت کے لیے گھروں کے اندر کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا۔ اور آدمی کو اس کام کے لیے آبادی سے دور کسی جگہ جانا پڑتا تھا۔ گاؤں میں آج تک یہ رواج باقی ہے۔

عربی میں «براز» کا معنی ہے کھلی فضا، صحرا۔ اور چونکہ لوگ قضائے حاجت کے لیے صحرا جایا کرتے تھے اس لیے لفظ «براز» کے معنوں میں پاخانہ کا معنی بھی شامل ہوگیا۔ اس لفظ سے فعل «تبرّز» بھی بنا ہے یعنی قضائے حاجت کے لیے صحرا کا رخ کرنا۔

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ «أَنَّ النَّبِيَّ صلَّى الله عليهِ وسلَّم إِذا أَرادَ البراز انطَلَقَ حتَّى لا يَرَاهُ

أحد»[1] یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر قضائے حاجت کا قصد فرماتے تو دور نکل جاتے تا کہ کوئی ان کو دیکھ نہ سکے۔

کھلی جگہ کے لیے عربی میں ایک اور لفظ ہے۔ اور وہ ہے «الغائط»۔ یہ لفظ بھی کنایۃً قضائے حاجت کے لیے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں تیمم کے احکام کے سلسلے میں جو آیت آئی ہے اس میں اس لفظ کا ذکر ہے۔ ارشاد باری ہے:
﴿ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَـٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا ﴾[النساء : ٤٣].
یعنی اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔

اور چونکہ انگریز stool پر بیٹھ کر قضائے حاجت کرتے ہیں اس لیے طبی اصطلاح میں براز کو stool کہتے ہیں۔

بوتام

بوتام: بٹن یا گھنڈی۔ یہ لفظ مندرجہ ذیل شعر میں بھی مستعمل ہوا:

---

(١)سنن ابی داود، کتاب الطھارۃ (١)۔

چاند ہے تاروں کے جھرمٹ میں ذرا دیکھ اے دل
گون میں شوخ نصاری کے یہ بوتام نہیں[1]

پلاٹس(John T. Platts)نے اپنی ڈکشنری:

Dictionary of Urdu, Classical Hindi, and English میں لکھا ہے

کہ یہ انگریزی لفظ button کی بگڑی ہوئی شکل ہے، فیروز اللغات میں لکھا ہے کہ انگریزی button کا مہند ہے، یہ بات غلط ہے۔

در اصل یہ پرتگالی لفظ botão سے ماخوذ ہے، پرتگالی زبان میں اس لفظ کا نطق «بوتاوں» ہے، اسی سے اردو میں «بوتام» بنا ہے۔

اردو لغت والوں نے اس بات کی طرف اشارہ تو کیا ہے کہ یہ لفظ پرتگالی ہے، لیکن انھوں نے جو علامت استعمال کی ہے اس کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے میں یہ پرتگالی لفظ انگریزی لفظ button سے ماخوذ ہے، نیز انہوں نے پرتگالی لفظ کی اصل نہیں بتائی ہے۔

---

(۱) اردو لغت، ترقی اردو بورڈ۔

ان کی یہ رائے کہ پرتگالی لفظ انگریزی سے ماخوذ ہے صحیح نہیں ہے، یورپی زبانوں میں یہ لفظ لاطینی سے ماخوذ ہے، فرانسیسی میں اس کی شکل bouton ہے، ہسپانوی میں botón، اور پرتگالی میں botão، اور ایطالی میں bottone۔

انگریزی کا button فرانسیسی سے ماخوذ ہے۔

یہاں یہ بتاتا چلوں کہ جس سوراخ میں بوتام داخل ہوتا ہے اس کو «کاج» کہتے ہیں، فیروز اللغات میں «کاج» کی شرح میں لکھا ہے «بٹن کا گھر»، لیکن اس کی اصل کے بارے کچھ نہیں بتایا ہے۔

دراصل «کاج» بھی پرتگالی سے ماخوذ ہے، پرتگالی میں casa بمعنی گھر ہے اور buttonhole کے لیے casa de botão کی اصطلاح مستعمل ہے، جس کا لفظی معنی ہے «بوتام کا گھر».

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ جنوبی ہند میں «کاج» کی بجائے «کاجہ» کا لفظ مستعمل ہے، جو پرتگالی لفظ casa سے زیادہ قریب ہے.

پلاو

پلاو سے کون واقف نہیں؟ اکبر الہ آبادی کہتے ہیں:

بتاؤں آپ کو مرنے کے بعد کیا ہوگا
پلاو کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

یہاں اس لفظ کی شرح کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ ہماری اس ڈش نے کس طرح سارے اقوام عالم کا دل موہ لیا ہے۔

یہ لفظ فارسی میں بھی ((پُلاو)) اور ((پَلَو)) کی شکل میں موجود ہے۔

یہ لفظ ترکی میں بھی ہے، اور اس کا املا pilâv ہے۔ شمس الدین سامی اپنے ((قاموس ترکی)) میں لکھتے ہیں کہ یہ لفظ ہندی سے ماخوذ ہے۔

ترکی سے یہ لفظ یورپ میں پہنچا، اور یورپ کی کئی زبانوں میں داخل ہو گیا۔ انگریزی میں pilaff کہلانے لگا۔ لیکن اس کی اور شکلیں بھی مستعمل رہی جیسے:

pilav, pilaw, pulao۔

A.B.Edwards اپنی کتاب Up Nile میں کہتا ہے:

The pilaff which followed is always the last dish served at an Egyptian or Turkish dinner.

یعنی: اس کے بعد جو پلاو لایا گیا وہ مصری یا ترکی دعوتوں میں ہمیشہ آخری ڈش ہوتا ہے۔

بلکہ انگریز ہم سے بھی آگے بڑھ گئے۔ انہوں نے pilau سے فعل بھی بنالیا۔ سنہ ۱۸۹۷ میں شائع ہونے والی ایک کتاب میں یہ جملہ آیا ہے:

I took my first lesson in eating roasted kid and pillaued chicken.

یعنی: میں نے بھونے ہوئے بکری کا بچہ اور پلاؤ میں پکی ہوی مرغی کھانے کا پہلا سبق سیکھا۔

یہ لفظ یورپ کے کئی زبانوں میں پایا جاتا ہے۔ ذیل میں کچھ زبانوں میں اس کا املا دیا جاتا ہے۔

فرانسیسی	جرمن	روسی	جدید یونانی
pilaf	Pilaw	плов, пилав	πιλω, πιλαφι

تراویح

رمضان مبارک کی راتوں میں پڑھی جانے والی سنت نماز۔ بعض کے پاس اس کی بیس رکعتیں ہیں، اور بعض کے پاس آٹھ۔

اس نام کی اصل کیا ہے؟ اس کا پتا ابھی چل جائے گا۔ چونکہ اس نماز کی رکعات کو ادا کرنے میں کافی وقت لگتا ہے، اور نمازیوں کے تھک جانے کا امکان بھی ہے، اس لیے ہر چار رکعات کے بعد نمازی تھوڑا سا وقفہ کر کے آرام لیتے ہیں۔

عربی میں «رَوَّحَ» کا معنی ہے: آرام کرنا، ستانا۔ اس فعل کا مصدر مرۃ «ترویحۃ» ہے، یعنی آرام کرنے کا ایک موقعہ، اور چونکہ بیس رکعت ادا کرنے کے دوران چار بار ستاتے ہیں، اس لیے «ترویحۃ» کی جمع بنالی گئی جو «تراویح» ہے۔

تعویذ

عربی کے مصدر کے اوزان میں سے ایک «تفعیل» ہے۔ اس وزن پر آنے والے الفاظ عربی میں مذکر ہیں، جیسے: «هذا تَفسيرٌ جيِّدٌ»۔ لیکن اردو میں اس وزن پر آنے والے تمام اسماء مؤنث ہیں، جیسے: تعلیم، تہذیب، تقریب، ترتیب، تفسیر، وغیرہ۔ اس قاعدے سے صرف ایک لفظ مستثنیٰ ہے، اور وہ ہے «تعویذ» یہ لفظ مذکر ہے:

اثر دلوں میں کرے، بغض وحب پہ قادر ہو
عمل میں کس کے ہے اس اختیار کا تعویذ؟

اس لفظ کے مذکر ہونے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ تعویذ کے ذمہ جو کام سونپا گیا ہے اس کی نوعیت ہے۔ جس تعویذ کو شیاطین وجن سے مسلسل جنگ کرنا پڑتا ہو اس کا مؤنث ہونا کسی صورت میں مناسب نہ تھا۔

تکرار

اس کا معنی ہے جھگڑا، زبانی لڑائی۔ یہ عربی لفظ ہے۔ اور عربی میں اس کا معنی ہے کسی بات کو دہرانا۔ یہ فعل «کرَّر» کا اسم مصدر ہے۔ اس فعل کا اسم مفعول «مکرَّر» ہے۔ جو اردو میں مستعمل ہے۔

دو مرتبہ صاف کیے ہوئے قند کو «قندِ مکرر» کہتے ہیں۔ اور مجازاً ایسی عمدہ بات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو دوبارہ کہی جائے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی بات کو دہرانے سے جھگڑا کیسے پیدا ہوتا ہے؟ اس کا تعلق دہرانے کی نوعیت پر منحصر ہے۔ اگر کوئی اپنے مخاطب سے کہے کہ «تم چور ہو اور یہ بات میں علی الاعلان کہوں گا۔ ڈنکے کی چوٹ پر کہوں گا۔ برملا کہوں گا۔ بار بار کہوں گا اور ہر محفل میں کہوں گا» تو ظاہر ہے یہ اعلان جنگ سے کچھ کم نہیں۔ جھگڑا تو معمولی چیز ہے اس سے جنگ عظیم بھی چھڑ سکتی ہے[1]۔ عربی کا شاعر کہتا ہے:

فَإِنَّ الحربَ أَوَّلُها كلامُ

یعنی: جنگ کی ابتداء بات ہی سے ہوتی ہے۔

---

(۱) لفظ «جنگ عظیم» سے ایک بات یاد آئی۔ میں جس وقت انگریزی زبان میں B.A. (Hons) کر رہا تھا، ہر ہفتہ ایک طالب علم لسانیات کے کسی موضوع پر پروفیسر کی نگرانی میں اپنا مقالہ پڑھتا تھا۔ ایک بار میں نے Chinese Ideogram پر اپنا مقالہ پڑھا۔ چینی نظام تحریر میں جو الفاظ مستعمل ہیں، وہ دراصل کسی بھی چیز کی مختصر تصویر ہوتی ہے۔ اور بعض معنوں کو ادا کرنے کے لیے ایک سے زیادہ تصویر بنادی جاتی ہے۔ جیسے «روشنی» کے لیے چاند اور سورج کی تصویر۔ میں نے اپنے مقالے میں بتایا کہ «جنگ» کے تصور کو ادا کرنے کے لیے گھر کے اندر ایک عورت کی تصویر بنادی جاتی ہے۔ میری پروفیسر نے اعتراض کیا، کہا کہ یہ غلط ہے۔ جنگ کے تصور کے لیے گھر کے اندر دو عورتوں کی تصویر بنائی جاتی ہے۔ میں نے فوراً کہا: میڈم! میں جنگ عظیم کی بات نہیں کر رہا ہوں۔

تولیا

بڑا سا رومال جس سے نہانے کے بعد بدن خشک کرتے ہیں۔ انگریز لغت نویس John Platts نے اپنی ڈکشنری A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English میں اس لفظ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ انگریزی لفظ towel کی محرف شکل ہے۔

فیروز اللغات میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے مگر اتنی وضاحت کے ساتھ نہیں۔

یہ رائے غلط ہے۔ دراصل یہ لفظ پرتگالی ہے۔ اور اس زبان میں اس کا املا toalha ہے۔ پرتگالی زبان میں lha کے مجموعے کو «لیا» پڑھا جاتا ہے۔

حقیقت میں انگریزی towel فرانسیسی touaille ہسپانوی toalla اور پرتگالی toalha ایک ہی لفظ کی مختلف شکلیں ہیں۔ اور یہ قدیم جرمن زبان کا لفظ ہے۔

ہندوستان میں گوا کا علاقہ ایک مدت تک پرتگالیوں کے قبضے میں رہا۔ اس عرصہ میں پرتگالی زبان کے کچھ الفاظ اردو میں داخل ہوئے جیسے «چابی»، «گرجا»، «فیتا»، «پادری»، «نیلام»، «الماری»، «پگار»۔ میں نے اپنی کتاب «پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ الفاظ سے» میں ان کے بارے میں لکھا ہے۔

طالبعلمی کے زمانے میں ہم لوگ انگریزی لفظ pin کی بجائے «الفنات» استعمال کرتے تھے۔ یہ بھی پرتگالی لفظ ہے۔ اور اس کی اصل alfinete ہے۔

جنوبی ہند کی تمل زبان میں «کھڑکی» کے لیے «جنّل» (ஜன்னல்) بولتے ہیں۔ یہ بھی پرتگالی ہے۔ اور اس کی اصل janela ہے۔

فیروزاللغات میں اس لفظ کے مندرجہ ذیل معنی بتائے گئے ہیں:

کھال ادھیڑنے والا، پھانسی دینے والا، جان لینے والا، بے رحم، ظالم، کھٹور۔

یہ عربی لفظ ہے اور اس کا معنی ہے کوڑے لگانے والا۔ یہ ایک سرکاری افسر ہوتا ہے جو دربار یا کچہری میں مجرموں کو سزا دینے کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔

یہ لفظ ((جلْد)) سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کھال، چمڑا۔ اس لفظ سے فعل جَلَدَ يَجْلِدُ بنتا ہے جس کا معنی ہے کوڑے لگانا۔

کوڑے لگنے کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے۔ سورۂ نور کی آیت نمبر ۲ میں زناکار عورت اور مرد کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ ٱلزَّانِيَةُ وَٱلزَّانِي فَٱجْلِدُوا۟ كُلَّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا مِا۟ئَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ ٱللَّهِ ... ﴾

یعنی: زناکار عورت اور مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ، اور اللہ کے حکم کی بجا آوری میں تمہیں ان پر ترس نہ آنے پائے۔۔۔

علمائے کرام نے کوڑے لگانے کے حدود وآداب بتائے ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوڑے لگانے والے کا بازو اس کے جسم سے لگا رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑے لگانے والے سے کہا: کوڑے لگا، لیکن تیری بغل دکھائی نہ دے۔

زمخشری تفسیر کشاف میں کہتے ہیں کہ لفظ ((جلد)) میں یہ اشارہ ہے کہ درد جلد سے متجاوز ہو کر گوشت تک نہ پہنچے۔

میں نے یہ بات اتنی تفصیل کے ساتھ اس لیے لکھی ہے کہ یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ اردو میں کھال ادھیڑنے کا جو معنی ہے وہ عربی میں بالکل ہے نہیں۔

صیغہ ((فعّال)) مبالغہ پر دلالت کرتا ہے جیسے:

غَفّار یعنی بہت زیادہ مغفرت کرنے والا	رزّاق یعنی بہت زیادہ رزق دینے والا
علّام یعنی بہت زیادہ جاننے والا	ظَلّام یعنی بہت زیادہ ظلم کرنے والا

اس صیغہ کا استعمال پیشے پر دلالت کے لیے بھی ہوتا ہے۔ جیسے:

نجّار	حدّاد	بنّاء	صبّاغ
یعنی بڑھئی	یعنی لوہار	یعنی معمار، راج	یعنی رنگ ریز

اور آج کل کی اصطلاح میں ڈرائیور کے لیے ((سوّاق)) بولا جاتا ہے، اور پیشہ ور جھاڑو دینے والے کے لیے ((کنّاس))۔

جلّاد بھی اس معنی میں ہے یعنی پیشہ ور کوڑے لگانے والا۔

چکی

آج کل شہر کے لوگوں کو چکی دیکھنے کا اتفاق نہ ہوتا ہو، لیکن اس کے نام سے کون واقف نہیں؟ اور اس کی دو صفتیں جو اسماعیل میرٹھی نے بنائی ہیں اس کا بھی اکثر لوگوں کو علم ہوگا:

دھن کی پوری ہے کام کی پکی

قدیم زمانے میں چکی کی دو قسمیں ہوتی تھیں: چکی اور پن چکی۔ اب اس کی ایک تیسری قسم بھی ایجاد ہو چکی ہے، اور وہ ہے « پَوَن چکی » جو ہوا سے چلتی ہے، جس کو انگریزی میں wind mill کہتے ہیں۔

لفظ چکی کی اصل دیکھی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں پہلے ایک « ر » ہوا کرتی تھی جس کو اس کے پڑوس « ک » نے اغوا کر کے اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ اس طرح « چکری » « چکی » بن گئی۔

یہ لفظ دراصل سنسکرت کے « چکرم » चक्र سے ماخوذ ہے، اور اب اردو اور ہندی میں « چکر » کی شکل میں موجود ہے۔ اس سے فعل « چکرانا » بھی بنا ہے جیسے « میرا سر چکرانے لگا »۔

اس کی « ر » کو حذف کر کے، اور اس کے عوض « چ » کے فتحہ کو طول دے کر لفظ « چاک » بنا ہے جس کا معنی پہیہ ہے۔

فارسی زبان سنسکرت کی سگی بہن ہے۔ وسط ایشیا سے جب لوگ ہجرت کر کے جنوب کی طرف آئے تو ان کی ایک شاخ ایران چلی گئی۔ اور دوسری ہندوستان۔ ان دونوں کی زبانوں میں کافی مشابہت ہے اور ان میں بہت سارے الفاظ مشترک ہیں۔

ان مشترک الفاظ میں ایک «چرخ» بھی ہے۔ لفظ «چکر» اور «چرخ» کو غور سے دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ دونوں کی اصل ایک ہے لیکن ان کے درمیان دو فرق ہیں:

۱- پہلا فرق حروف کی ترتیب میں ہے۔ «چکر» میں «ر» آخر میں ہے اور «چرخ» میں بیچ میں۔ لیکن قدیم فارسی میں یہ لفظ «چخر» تھا۔ یعنی دونوں لفظوں کے درمیان ترتیب حروف میں کوئی فرق نہیں تھا۔

۲- دوسرا فرق یہ ہے کہ فارسی میں «ک» کی جگہ «خ» ہے۔ سنسکرت میں «خ» کا حرف ہے ہی نہیں۔ اور اس کی جگہ یا «ک» ہوتا ہے یا «کھ»۔

فارسی میں مٹکے کو «خُمب» کہتے ہیں، اور سنسکرت میں «کمبھ» कुंभ۔ فارسی میں گدھے کو «خر» کہتے ہیں اور سنسکرت میں «کھر» खर۔

تو سنسکرت کے «چکر» کا فارسی مقابل «چرخ» ہے۔ یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے۔ چرخ چونکہ گھومتا ہے اس لیے آسمان کو بھی چرخ کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

صد سالہ دورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

چھوٹے سے چرخ کو چرخی کہتے ہیں اور بڑے کو چرخہ۔ گاندھی جی کے زمانے میں کہا کرتے تھے:

گاندھی جی کی ہے یہ ہدایت
پہنو کھدر، چلاؤ چرخہ

حجاز

حجاز میں کچھ جغرافیہ ہے اور کچھ تاریخ۔

پہلے جغرافیہ کو لیتے ہیں۔ جزیرہ عرب کے تین اہم خطے ہیں۔

- اس کا مرکزی حصہ جو نجد کہلاتا ہے، جس میں ریاض، قصیم، اور حائل واقع ہیں۔
- مغرب کا ساحلی علاقہ جو تہامہ کہلاتا ہے۔

○ ان دونوں خطوں کے درمیان جو علاقہ ہے وہ حجاز کہلاتا ہے۔ لفظ «حجاز» کا لفظی معنی ہے حاجز، یعنی وہ علاقہ جو نجد اور تہامہ کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔(ملاحظہ ہو القاموس المحیط)۔

حجاز کے اہم شہر ہیں: مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، اور طائف۔

یہ رہا حجاز کا جغرافیائی پہلو۔

چونکہ حجاز کی تاریخ اسلام کی تاریخ سے مرتبط ہے اس لیے یہ لفظ اسلام، اور مرکز اسلام کا مترادف بن گیا ہے۔ تہذیب حجاز سے مراد تہذیب اسلام ہے۔ اقبال سسلی (صقلیہ) کے بارے میں کہتے ہیں:

وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار

مسجد قرطبہ کے بارے میں کہتے ہیں:

رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

صحیح نمازی صاحب اوصاف حجازی ہیں، صحیح فقر فقر حجازی ہے:

ہمت ہے اگر تو ڈھونڈ وہ فقر

جس فقر کی اصل ہے حجازی

مسلم قوم قوم حجاز ہے:

قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوی قوم حجاز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم «میر حجاز» ہیں:

سالار کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

علامہ اقبال اپنے وجود کے تین عناصر کا ذکر کرتے ہوئے اپنے فارسی شعر میں کہتے ہیں:

تنم گلے ز خیابان جنت کشمیر
دل از حریم حجاز ونوا ز شیراز است

یعنی : میرا جسم کشمیر کے چمن کا ایک پھول ہے، میرا دل حجاز کے حرم سے وابستہ ہے اور میری آواز (یعنی میری شاعری) شیراز سے آرہی ہے۔

خرافات

خرافات: بیہودہ باتیں، بکواس۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

یہ عربی لفظ ہے، عربی میں اس کی اصل ہے «حَدِیثُ خُرَافَةَ» یعنی «خرافہ کی باتیں» یا «خرافہ کی کہانی»۔

جاہلی زمانے کے عربوں میں یہ بات مشہور تھی کہ قبیلۂ عُذرہ کے خرافہ نامی ایک شخص کو جنّوں نے اغوا کر لیا تھا، اور یہ شخص ان کے یہاں کچھ دن رہ کر واپس آیا تھا، اور اس نے جو کچھ عالم جن میں دیکھا اسے بیان کرتا تھا، لوگ اس کی باتوں کو تعجب سے سنتے تو تھے، لیکن کوئی اس پر یقین نہیں کرتا تھا، اسی بنا پر لوگ من گھڑت باتوں کو « خرافہ کی باتیں » یا « خرافہ کی کہانیاں » کہنے لگے۔

عربی کا ایک ملحد شاعر کہتا ہے:

حَيَاةٌ ثم موتٌ ثم بعثٌ حديثُ خرافةٍ يا أُمَّ عَمْرو

یعنی: زندگی، پھر موت، پھر دوبارہ زندگی، اے ام عمرو! یہ تو صریح خرافات ہے۔

خرافہ کے اس قصے کا ذکر بعض حدیثوں میں بھی آیا ہے، لیکن محدثین نے ان حدیثوں کو سند کی رو سے ضعیف قرار دیا ہے۔

بڑی عجیب بات ہے کہ خرافہ کے اس قصے کو اردو لغت والوں نے اس طرح بیان کیا ہے: ‹‹بعض روایات کے مطابق خرافہ بنی غدرہ میں ایک شخص تھا، عرب سمجھتے تھے کہ مدت دراز تک اجنّہ میں رہ کر وہ واپس آیا تھا››... (اردو لغت جلد ہشتم صفحہ ۲۰۵)۔

خرچ

یہ لفظ شکل سے تو عربی نہیں لگتا مگر ہے عربی۔ عربی میں آمدنی کو «دَخل» کہتے ہیں، اور اس کا عکس «خرْج» ہے۔ «دَخل» کا معنی ہے: داخل ہونا، اور «خرْج» کا معنی ہے: نکلنا۔ اور یہ نہایت ہی حقیقت پسندانہ طرزِ تسمیہ ہے، کیونکہ آمدنی بٹوے یا تجوری میں داخل ہوتی ہے، اور خرچ بٹوے یا تجوری سے نکلتا ہے۔

جب «خرْج» ہندوستان پہنچا، اور اردو زبان میں داخل ہوا تو اس کی جیم کے نقطے میں برکت ہوئی اور اسکے تین نقطے ہو گئے۔ لیکن جمع میں ایک ہی نقطہ رہا۔ عربی میں «خرْج» کی جمع «أخراجْ» ہے، لیکن اردو والوں کو اس لفظ میں جمع پن نظر نہیں آیا، اس لیے اس کے آخر میں الف اور تے بڑھا کر اس کو «اخراجات» کی شکل دیدی۔

ہو سکتا ہے کہ جو شخص اس لفظ کو عربستان سے ہندوستان لایا اس کے اخراجات یہاں آکر بڑھ گئے ہوں چنانچہ اس نے اس مزید خرچ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مفرد میں دو نقطے بڑھا دیے اور جمع میں دو حرف۔

جمع کی جمع کو عربی میں جمع الجمع کہتے ہیں، عربی میں اس کی بہت ساری مثالیں ہیں۔ اردو نے بھی الگ سے اس کی مثالیں بنائی ہیں، ان میں سے چند پیشِ خدمت ہیں:

خرج	اخراج	اخراجات
وجہ	وجوہ	وجوہات
رکن	ارکان	اراکین
اکبر	اکابر	اکابرین

دکان

سودا بیچنے کی جگہ۔ یہ لفظ کاف کی تشدید کے ساتھ بھی مستعمل ہے اور بلا تشدید بھی۔ شاعر کہتا ہے[1]:

جو عندلیب کو غیرت ہو ایسا روئے خون
کہ گل فروش کی ہو جائے ساری دکّاں سرخ

یہ لفظ واو کے اضافے کے ساتھ بھی آتا ہے۔

اے کہ چاہے ہے تو دیوان کو قائم کے تو دیکھ
کہیں ہو گا کسی خمّار کی دوکان میں پھنسا

یہ لفظ فارسی میں بھی مستعمل ہے۔ شاعر کہتا ہے:

شہد لبہای تو دکّان طبیبان بربست

یعنی: تمہارے لبوں کے شہد نے طبیبوں کی دکانیں بند کر دیں۔

---

(۱) یہ اشعار اردو لغت سے ماخوذ ہیں۔

لیکن فارسی کے علمائے لغت اسے عربی سے ماخوذ بتاتے ہیں۔

فارسی سے یہ لفظ ترکی میں بھی داخل ہوا۔ ترکی میں اس کا املا اس طرح ہے dükkan۔

عربی میں «دکّان» کا معنی ہے چبوترا۔ جاہلی دور کا عربی شاعر المثقب العبدي اپنی اونٹنی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

فأبقى باطلي والجدّ منها   كدكّان الدرابنة[1] المطين

یعنی میری بے رہروی اور میری اونٹنی کی محنت ومشقت نے اسے دربانوں کے بیٹھنے کے لیے بنائے گئے مٹی کے چبوترے کی طرح ضخیم اور مضبوط بنادیا ہے۔

چبوترے کے معنی میں ایک اور لفظ «دكّة» بھی ہے۔ مسجد نبوی میں اغوات نامی حبشی خدام کے بیٹھنے کے لیے جو چبوترا سا بناہوا ہے وہ «دكّة الأغوات» کہلاتا ہے یعنی اغوات کا چبوترا۔

کسی چیز کا بیچنے والا عام طور پر اسے کسی اونچی جگہ پر رکھتا ہے تاکہ وہاں سے گذرنے والے اسے بآسانی دیکھ سکیں۔ اسی بنا پر ایسی جگہ کو «دکان» کہا جانے لگا۔

---

(۱) «دَرَابِنَةٌ» جمع ہے «دَرْبَان» کی۔ یہ فارسی لفظ ہے، جاہلی دور کی عربی میں بہت سارے فارسی الفاظ داخل ہوئے ہیں۔

«دنیا» کا حقیقی معنی وہ نہیں ہے جو آج کل مشہور ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے «قریب ترین»، پوری عبارت ہے: «الحياة الدنيا» یعنی: قریب ترین زندگی، یعنی: موجودہ زندگی جو ہم اس وقت جی رہے ہیں، آخرت کی زندگی نہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: دنیا اور آخرت۔

«دنیا» مؤنث ہے، اور اس کا مذکر ہے «أدنی»۔ اسی لیے عربی میں Near East کے لیے «الشرق الأدنى» کی اصطلاح رائج ہے۔

قرآن شریف میں «الحياة الدنيا» کی عبارت کئی بار آئی ہے، اور صرف ایک آیت میں «الأدنى» کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ وہ آیت ہے:

﴿ فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَرِثُواْ ٱلۡكِتَٰبَ يَأۡخُذُونَ عَرَضَ هَٰذَا ٱلۡأَدۡنَىٰ ﴾ (الاعراف: ١٦٩).

پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوے جو کتاب اللہ کے وارث ہو کر دنیا کے فائدے سمیٹتے ہیں۔۔۔

ابتداء میں «دنیا» «الحیاۃ» کے ساتھ جڑی ہوی تھی، بعد میں اس نے آزادی حاصل کرلی، اور زندگی سے باہر نکل آئی، اور اب پورے کرۂ ارضی کو دنیا کہا جانے لگا۔

پھر اس کا دائرہ عمل کچھ تنگ ہوا، اور سوسائٹی کے ایک جزء پر اس کا اطلاق ہونے لگا جیسے: دنیائے صحافت، دنیائے مال ومنال وغیرہ۔

دیباچہ

دیباچہ: کتاب کا مقدمہ۔

پہلے ہم «دیباج» سے بات شروع کرتے ہیں۔ یہ فارسی لفظ «دیبا» کی معرب شکل ہے۔ اور اس کا معنی ہے: کپڑا جس کے تانے بانے دونوں ریشم کے ہوں، اور جس پر نقش ونگار بنے ہوئے ہوں۔

عربی میں دیباج کے ایک ٹکڑے کو «دیباجہ» کہتے ہیں۔ بعد میں مجازاً اس کا اطلاق رخسار پر ہونے لگا کہ محبوب کے رخسار ریشم کی طرح نرم ونازک ہوتے ہیں۔

مشہور شاعر ابن مُقبل اونٹ کے وصف میں کہتا ہے:

يَجرِي بِدِيباجَتَيْهِ الرَّشحُ مُرتَدِعُ

یعنی اس کے رخساروں سے پسینہ بہہ رہا ہے۔

پھر کتاب کے مقدمہ کو بھی «دیباجہ» کہا جانے لگا۔

یہ کیوں کہا جانے لگا؟ کتاب کے مقدمہ کا ریشم اور رخسار سے کیا تعلق؟

اس کے جواب میں ذیل کی تین وجوہات بتائی جا سکتی ہیں:

١. پہلی بات یہ ہے کہ مقدمہ گویا کتاب کا چہرہ ہوتا ہے جس سے کتاب کی پہچان ہوتی ہے۔

٢. دوسری بات یہ ہے قدیم زمانے میں کتاب کے پہلے صفحے کو نقش و نگار سے سجاتے تھے۔ اس طرح نقش و نگار سے مزین «دیباج» سے اس کا تعلق جڑ جاتا ہے۔

٣. تیسری بات وہ معنوی زینت ہے جو مقدمہ میں ہوتی ہے۔ کیونکہ مصنف کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ مقدمہ زبان و بیان کے اعلی معیار کا ہو، تو اس میں الفاظ و معانی کے محاسن ہوں گے۔ وہ گویا «دیباج» کے نقش و نگار کے مشابہ ہیں۔

اب دیکھتے ہیں کہ «دیباجہ» کے آخری نقطہ میں برکت کیسے ہوئی؟ اور اس کے اندر توحید سے تثلیث کیسے آئی؟

جب «دیباجہ» عربستان سے ایران پہنچا تو اہل ایران نے سمجھا کہ اس کا آخر «جہ» فارسی کا «پسوند تصغیر»[1] «چہ» ہے۔ اور حروف کے سلسلے میں عربی کی تنگ دامانی کا شکار ہو کر «چہ» سے «جہ» ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے «دیباجہ» کو «دیباچہ» میں تبدیل کر دیا۔

---

(١) جدید فارسی میں «پسوند» بمعنی suffix ہے۔

ایک اور لفظ جسکی جیم کے نقطوں میں برکت ہوی ہے، وہ لفظ «خرچ» ہے۔ یہ عربی کا «خرج» ہے، لیکن اردو مین آکر اس نے ترقی کی، اور اسکی جیم کے تین نقطے ہو گئے۔ ملاحظہ فرمائیے لفظ «خرچ»۔

ایک بات رہ گئی ہے۔ میں نے اس مضمون کی ابتداء میں بتایا تھا کہ «دیباج» کی اصل فارسی میں «دیبا» ہے۔ اگر یہ بات ہے تو اس معرب لفظ کے آخر میں «ج» کہاں سے آگئی[1]؟

جو فارسی زبان پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں رائج تھی وہ پہلوی زبان کہلاتی ہے۔ بعض امور میں پہلوی آج کل کی فارسی سے مختلف تھے۔ ان اختلافی امور میں ایک یہ تھا کہ پہلوی میں بعض الفاظ کے آخر میں ایک «گ» ہوتا تھا۔ جو آج کل کی فارسی سے غائب ہو گیا۔ لیکن بعض صیغوں میں یہ «گ» چپکے سے واپس آجاتا ہے۔ اس کی ایک مثال یہی «دیبا» ہے جو پہلوی میں «دیباگ» تھا۔ پانچویں چھٹی صدی کے عربوں نے اسی لفظ کو «دیباج» کی شکل میں اپنایا۔

عربوں نے اس «گ» کو کبھی «ج» بنایا تو کبھی «ق»۔ اردو کا «طاق» جو رمضان کی طاق راتوں کی وجہ سے مشہور ہے اس کی اصل فارسی میں «تا» ہے۔ اور پہلوی میں «تاگ»۔

اور ایک اور مثال پیش خدمت ہے۔ لفظ «بندہ» پہلوی میں «بندگ» تھا۔ جب اس کا «گ» غائب ہو گیا تو یہ «بند» ہو گیا۔ اگر اس کو اس طریقے

---

(۱) فیروز اللغات میں لکھا ہے کہ جیم کی تذکیر و تانیث میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف کا فائدہ ہم نے صنف نازک کو دیا ہے۔

سے لکھتے تو اندیشہ تھا کہ لوگ اس سے آخری حرف کو ساکن پڑھتے۔ آخری حرف کے فتحے کو ظاہر کرنے کے لیے اس میں ایک «ہ» بڑھا دیا گیا۔ اور چونکہ وہ پڑھا نہیں جاتا اس لیے اس کا نام «ہائے مختفی» رکھا گیا۔

جب «بندہ» کے آخر میں «ی» بڑھا کر اسے مصدر بناتے ہیں تو پہلوی کا مفرور «گ» چپکے سے واپس آجاتا ہے۔ اور یہ لفظ ہمیں «بندگی» کی شکل میں ملتا ہے۔ اسی طرح «بندہ» کی جمع «بندگان» میں بھی یہ مفرور «گ» ہمیں نظر آتا ہے۔

لفظ «سادہ» پہلوی میں «سادگ» تھا جسے قدیم عربی میں «ساذج» کی شکل میں عربایا گیا۔

ڈیزل

ایک قسم کے انجن نیز ایندھن کا نام ہے۔ اس قسم کے انجن کو ڈیزل انجن کہتے ہیں۔ اور ایندھن کو ڈیزل آئل۔ یہ در اصل اس انجن کے موجد کا نام ہے۔ اس کا پورا نام ڈاکٹر روڈلف ڈیزل (Rudolf Diesel) تھا۔ یہ جرمنی میں میونخ کا باشندہ تھا۔ اس کی پیدائش ۱۸۵۸ اور وفات ۱۹۱۲ میں ہوئی۔

کچھ اور بھی الفاظ ہیں جو در اصل انسانوں کے نام ہیں۔ برقی قوت کو ناپنے کے مختلف پیمانوں کے نام ان کے موجدوں کے ناموں سے ماخوذ ہیں۔ جیسے:

واٹ(Watt)	یہ جیمس واٹ James Watt کے نام سے موسوم ہے۔ جو بھانپ سے چلنے والے انجن کا موجد تھا۔ یہ انگریز تھا(۱۷۳۵-۱۸۲۷)۔
وولٹ(Volt)	یہ اطالوی موجد Alessandro Volta کے نام سے موسوم ہے۔
امپیر(Ampère)	یہ فرانسیسی موجد A.M.Ampère (وفات ۱۸۳۶) کے نام سے موسوم ہے۔

رکھنا

«رکھنا» کا معنی ہے کسی چیز کو اپنے پاس رہنے دینا۔ لیکن یہ اس لفظ کا حقیقی معنی نہیں ہے۔ اس کا حقیقی معنی ہے حفاظت کرنا۔ یہ لفظ در اصل سنسکرت «رکشا» रक्षा سے ماخوذ ہے جس کا معنی حفاظت کرنا ہے۔ یہ قدیم معنی اس لفظ میں چھپا ہوا ہے، اور بعض محاوروں میں ظاہر ہوتا ہے۔ مشہور کہاوت ہے «جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے» جس کا معنی ہے: اللہ تعالی جس کی حفاظت کرے اسے کون گزند پہنچا سکتا ہے؟۔

کہتے ہیں: « کسی کا دل رکھنا » یہاں اس کا حقیقی معنی صاف ظاہر نہیں ہوتا مگر پردے کے پیچھے سے اس کا عکس ضرور نظر آتا ہے۔ اسی طرح لفظ « رکھوالا » کا معنی ہے: حفاظت کرنے والا۔ لیکن آج کل اس لفظ نے حفاظت کا قلم دان چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے اگر آپ کسی سے کہیں کہ: « اس چیز کو اپنے پاس رکھیے » تو یہ توقع نہ کیجیے کہ وہ اس کی حفاظت بھی کرے گا۔

ریال

سعودی عرب، قطر، عمان، اور یمن کا سکہ « ریال » کہلاتا ہے۔ شاید آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ « ریال » پرتگالی ہے۔ اس کا املا real ہے اور یہ پرتگال کا قدیم نقرئی سکہ تھا۔

یاد رہے کہ مسقط اور عمان کے کچھ علاقے ۱۵۰۸ سے ۱۶۵۰ تک پرتگال کے قبضے میں رہے۔ اور انہی دنوں میں یہ لفظ وہاں رائج ہوا۔

یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ real کا لفظی معنی ہے « شاہی »۔ اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں royal کی شکل میں مستعمل ہے۔

آج کل پرتگال میں یورو چلتا ہے اور یورو کے استعمال سے پہلے وہاں کا سکہ escudo کہلاتا تھا۔ real کا استعمال بہت پہلے ختم ہو چکا تھا۔

یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ ۱۸۷۰ سے پہلے عمان میں روبیة چلتا تھا۔ اب بھی ریال کے ہزار «پیسے» baisa ہوتے ہیں۔

زبان

زبان دراصل جیبھ کو کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

زباں پر بار الہی یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

زبان ایک multipurpose آلہ ہے۔ اس کا اصلی کام تو چکھنا ہے، لیکن یہ بولنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے نظامِ گفتگو کو بھی زبان کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

احمدِ پاک کی خاطر تھی خدا کو منظور
ورنہ قرآں بھی اترتا بزبانِ اردو

فارسی کا ایک شاعر کہتا ہے:

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم
یعنی: میرے محبوب کی زبان ترکی ہے، اور میں ترکی نہیں جانتا۔

فارسی کا ایک اور مصرع ہے:

زبان چو بہر حق گوئی چہ عبرانی چہ سریانی

یعنی: اگر تم بات حق کی خاطر بول رہے ہو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ تم عبرانی زبان میں بولو یا سریانی زبان میں۔

سافٹ ویر

یہ انگریزی لفظ ہے، اور اس کا املا ہے software۔ یہ کمپیوٹنگ کی ایک اصطلاح ہے، اور اس سے مراد پروگرام، data وغیرہ ہیں جو کمپیوٹر کا حصہ نہیں ہیں، بلکہ کمپیوٹر کو چلاتے وقت ان کا استعمال ہوتا ہے۔

یہ لفظ hardware کی طرز پر بنایا گیا ہے۔ hardware لوہے کو کہتے ہیں، اور اس کا اطلاق ان چیزوں پر بھی ہوتا ہے جو لوہے یا دوسرے معادن سے بنی ہوں۔

کمپیوٹر کی تین ظاہری اجزاء ہیں: CPU، moniter، اور keyboard۔ ان عناصر پر hardware کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے برعکس پروگرام، data وغیرہ کی کوئی ظاہری شکل نہیں ہے، اس لیے ان کو software کہا جاتا ہے۔

آج کل کی فارسی میں سافٹ ویر کے لیے ایک فارسی لفظ وضع کیا گیا ہے، اور وہ ہے: «نرم افزار»۔ لفظ «افزار» در اصل لفظ «اوزار» کی ایک شکل ہے، اور اس عبارت کا معنی ہے: نرم ساز و سامان۔

ہم بھی اردو میں یہ لفظ استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر ہم «افزار» کی بجائے «اوزار» کہیں تو زیادہ واضح رہیگا۔

سانوریا

اس لفظ کا اطلاق محبوب پر ہوتا ہے۔ ایک قدیم فلمی گیت کے بول ہیں:

موہے بھول گئے سانوریا

«سانوریا» لفظ «سانورا» کی تصغیر ہے۔ اور «سانورا» در اصل «سانولا» کی ایک شکل ہے جس میں «ل» کی جگہ «ر» نے لے لی ہے۔ اور «سانولا» کا معنی ہے سیاہی مائل۔

«سانولا» میں رنگ کا پہلو غالب ہے «سانوریا» میں رنگ کا پہلو مؤخر ہو گیا ہے۔ اور قلبی کیفیت مقدم ہے۔ صیغۂ تصغیر نے تحبب کا عنصر بھی شامل کر دیا ہے۔

کچھ اور پیچھے چلتے ہیں۔ سنسکرت میں لفظ «شیام» **श्याम** بمعنی سیاہی مائل ہے۔

سیاہ فام ہونے کی بنا پر کرشن جی کو «شیام سندر» کہتے ہیں۔ اس لفظ کی ایک اور شکل ہے «شیاملا» **श्यामला**، اور یہی لفظ ہندی کے «سانولا» کی اصل ہے۔

سائبر

یہ انگریزی لفظ cyber ہے۔ اس کا معنی ہے: کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے متعلق۔ اس لفظ سے جڑے کچھ الفاظ آج کل تیزی سے رواج پا رہے ہیں جیسے:

cyber crime یعنی: انٹرنیٹ سے جڑے ہوئے جرم۔

cyber attack یعنی: انٹرنیٹ پر حملہ۔

cyber space یعنی: فضا کی وہ جگہ جہاں انٹرنیٹ کے مواد پائے جاتے ہیں۔

اس سلسلے کی ایک دلچسپ کڑی Cyberabad (سائبر اباد) ہے جو حیدر آباد کا ایک علاقہ ہے جہاں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے جڑی تجارت اور صنعتیں پائی جاتی ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ email کے لیے اردو میں «سائبر نامہ» کہنا مناسب ہو گا۔

سجادہ

اس کا معنی ہے جانماز، چٹائی جس پر نماز پڑھی جائے۔ یہ دلچسپ لفظ ہے۔ عربی میں «فعّال» کا وزن مبالغہ کا معنی دیتا ہے، جیسے:

۱. «غفّار» یعنی بار بار مغفرت کرنے والا، بہت زیادہ بخشنے والا۔

۲. «رزّاق» یعنی بہت زیادہ رزق دینے والا۔

۳. «تواب» یعنی بار بار بندے کی طرف لوٹنے والا۔

۴. «علاّم» یعنی بہت زیادہ جاننے والا۔

۵. «خلاّق» یعنی بہت زیادہ پیدا کرنے والا۔ یہ سب اللہ تعالی کی صفتیں ہے۔

اس وزن پر آنے والے کچھ اور الفاظ یہ ہیں:

۱. «جلاّد» یعنی زیادہ کوڑے لگانے والا۔

۲. «عبّاس» یعنی ہمیشہ چیں بر جبیں رہنے والا۔

۳. «صبّار» یعنی زیادہ صبر کرنے والا۔

اس قاعدے کی رو سے «سجاد» کا معنی ہے: بہت زیادہ سجدہ کرنے والا۔ اسی بنا پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند علی کا لقب «سجّاد» ہے۔

اب «سجادہ» کی طرف آتے ہیں۔ اس لفظ کا معنی ہے: بہت زیادہ سجدہ کرنے والی۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ جس چٹائی پر بہت زیادہ سجدہ کیا جائے اس کو لوگوں نے ازراہ تفنن بہت زیادہ سجدہ کرنے والی بنادیا۔

پھر اس لفظ کے معنی میں توسع پیدا ہوا ہے۔ اور اس لفظ کا اطلاق بزرگوں کی گدی پر ہونے لگا، اور پھر کسی بزرگ کے جانشین کو ان کا «سجادہ نشین» کہا جانے لگا۔

جب سجادہ خانقاہ پہنچا اور اس پر بزرگ بیٹھنے لگے تو اس میں سے سجدہ چپکے سے غائب ہو گیا۔

سیماب

سیماب کا معنی ہے پارا۔ یہ فارسی ہے اور دو لفظوں کا مرکب۔ پہلا لفظ « سیم » ہے جس کا معنی ہے: چاندی، اور « آب » بمعنی پانی۔ تو سیماب کا معنی ہوا: چاندی جو پانی کی طرح سیال ہو، بہتی ہوئی چاندی۔ یہ پارا کے لیے بہت ہی خوبصورت نام ہے۔ کیونکہ پارا کا رنگ بالکل چاندی کے رنگ کی طرح ہوتا ہے، لیکن چاندی ٹھوس، اور پارا بہتی ہوئی چاندی۔

یونانی زبان میں بھی پارا کے لیے اسی معنی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ یہ لفظ ہے υδραργυρος جو υδωρ بمعنی پانی اور αργυρος بمعنی چاندی کا مرکب ہے۔ انگریزی میں اس کے دو نام ہیں:

١. mercury جو اسی نام کے سیارہ « عطارد » کے نام سے ماخوذ ہے۔

٢. quicksilver جس کا لفظی معنی ہے: زندہ چاندی۔ لفظ quick آج کل کی انگریزی میں بمعنی فورا، تیز، جلدی ہے۔ لیکن قدیم انگریزی میں اس کا

معنی ہے زندہ۔ آج کل بھی کہتے ہیں: the quick and the dead یعنی زندہ اور مردہ۔ اور فعل quicken کا معنی ہے زندہ کرنا، جِلانا۔

فرانسیسی زبان میں بھی اس کے دو نام ہیں:

۱- mercure۔

۲- vif-argent جس کا معنی ہے: زندہ چاندی۔

زندہ چاندی کی یہ اصطلاح سب سے پہلے لاتینی زبان میں مستعمل ہوئی جس میں پارا کو argentum vivum کہتے ہیں۔

چونکہ پارا ہمیشہ حرکت میں رہتا ہے اور کسی جگہ ٹھہرتا نہیں اس لیے لفظ سیماب مجازِاً بے قراری اور اضطراب کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

آرام سے فارغ صفت جوہر سیماب

سیمینار

یہ انگریزی لفظ (جس کا املا seminar ہے) آج کل اردو میں بھی بولا جاتا ہے۔ اس کا معنی علمی مذاکرہ ہے۔ یعنی کسی موضوع پر سیر حاصل بحث کرنے کے لیے اس فن کے ماہرین کا اجتماع۔

ابتدا میں اس لفظ کا استعمال یورپی یونیورسٹیوں میں ہوتا تھا، اور اس کا اطلاق اونچے درجے کے طلبہ کے ایسے اجتماعی مطالعہ پر ہوتا تھا جو کسی پروفیسر کی نگرانی میں انجام پائے۔

اکثر علمی اصطلاحات کی طرح یہ لفظ بھی لاتینی زبان سے ماخوذ ہے۔ اس زبان میں اس لفظ کا بنیادی معنی ہے نرسری یعنی باغ کا وہ حصہ جہاں بیج اگائے جاتے ہیں۔ یہ لفظ semen سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے بیج۔ انگریزی اور دوسری یورپی زبانوں میں یہ لفظ از روئے مجاز «منی» کے لئے بولا جاتا ہے۔

سینما

یہ لفظ اتنا عام ہو چکا ہے کہ اس کی شرح کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔ ظاہر ہے کہ یہ انگریزی لفظ ہے، اور اس کا املا cinema ہے۔

اس کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے:

١- وہ عمارت جہاں فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔

٢- فلم، فلمی کہانی۔

لفظ «سینما» ایک طویل لفظ کی مختصر شکل ہے۔ اس کی اصل یہ ہے:

cinematography جس کا معنی ہے: متحرک تصویر بنانا۔

گھٹا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لیے

ابتداء میں جو فلمیں بنتی تھیں، اس میں متحرک تصویر تو ہوتی تھیں، لیکن آواز کا عنصر غائب تھا۔ اس قسم کی فلموں کو movie کہتے تھے، یعنی متحرک تصویریں۔ بعد میں جب فلموں میں آواز بھی شامل ہو گئی تو ان کو talkie کہنے لگے یعنی بولنے والی تصویریں۔

میری تجویز ہے کہ ہم لفظ «سینما» کو تھوڑی سی تحریف کے ساتھ «اردوالیں»، اور اس کو «سہنما» کی شکل دیدیں۔ اب اس کا معنی ہو جائیگا: «تین چیزیں دکھانے والی فلم»، اور وہ تین چیزیں یہ ہیں: تصویر، آواز، اور حرکت۔

لفظ «فلم» کا ذکر کیے بغیر «سینما» کی بات نامکمل رہے گی۔

«فلم» بھی انگریزی لفظ، اور اس کا املا ہے: film۔ اس لفظ کا قدیم معنی ہے: پتلی سی چمڑی، جھلی یا کسی چیز کی تہہ۔ جب فلم سازی کا زمانہ آیا، تو اس کا اطلاق پلاسٹک کی اس پٹی پر ہونے لگا جس پر متحرک تصویریں لی جاتی ہیں۔ پھر اس کا اطلاق ظرف کی بجائے مظروف پر ہونے لگا، یعنی اس کا اطلاق پلاسٹک کی پٹی کی بجائے اس پر لی جانے والی تصویروں پر ہونے لگا۔ پھر اس کے معنی میں توسع ہوا، اور فلم کا اطلاق اس کہانی یا واقعہ پر ہونے لگا جو پٹی پر لی گئی تصویریں بیان کرتی ہیں۔

صبا

مشرق کی جانب سے چلنے والی ہوا۔ اس ہوا کا تعلق جزیرے عرب سے ہے، اور عام طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ صبا نجد کے علاقے سے چلتی ہے جو جزیرۂ عرب کے

وسط میں ہے، اور اس زمانے میں سعودی عرب کا پایۂ تخت اسی علاقے میں ہے۔
عربی زبان کے شعراء بادِ صبا کو نجد کے ساتھ جوڑ کر «صبا نجد» کہتے ہیں یعنی «نجد کی صبا»۔

اموی شاعر ابن الدُّمینة اپنے خوبصورت قصیدے کے مطلع میں کہتا ہے:

أَلا يا صَبَا نجدٍ مَتَى هِجْتَ منْ نَجْدِ
لَقَدْ زَادَنِي مَسْرَاكَ وَجْدًا على وَجْدِ

یعنی: اے بادِ صبا! تو نجد سے کب چلی ہے؟ رات گئے تیری آمد نے میرے غم میں ایک اور غم کا اضافہ کر دیا ہے۔

جاہلی دور کا مشہور شاعر امرؤ القیس کہتا ہے:

إِذَا قَامَتَا تَضَوَّعَ الْمِسْكُ مِنهُمَا
نَسِيمُ الصَّبَا جاءَتْ بِرَيَّا القُرُنْفُلِ

یعنی: جب وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، تو ان سے بوئے مشک نکل کر ہر سمت پھیل جاتی، اور بادِ صبا کا جھونکا گل قرنفل کی خوشبو لے کر پہنچ جاتا ہے۔

اردو شاعری میں بھی بادِ صبا کا بہت زیادہ ذکر ہے۔ شعراء اس سے پیغام پہنچانے کا کام بھی لیتے ہیں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

اے بادِ صبا کملی والے سے جا کہیو پیغام میرا
قبضے سے امت بیچاری کے دیں بھی گیا، دنیا بھی گئی

نجد کا ذکر ہوا تو چلتے چلتے نجد کے بارے میں بھی ایک خوبصورت شعر سنتے چلیں۔ الصِّمّۃ القشیری کہتا ہے:

تَمَتَّعْ مِنْ شَمِيمِ عَرَارِ نَجدِ
فَمَا بعد العَشِيَّةِ مِنْ عَرَارِ

یعنی: نجد کے گل عَرار کی خوشبو کے مزے لوٹ لے۔ یاد رہے کہ ابتدائے شب کے بعد گل عرار دستیاب نہیں ہوتا۔

طُغْرُل

یہ ترکی لفظ ہے، اور فارسی میں بھی مستعمل ہے۔ یہ ایک شکاری پرندے کا نام ہے۔ اس لفظ میں پہلا اور تیسرا حرف پیش کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔

فارسی کے شاعر اسدی کہتے ہیں:

سرش طغرل، وتنش یکسرز زر
زیاقوت چشم، از زبر جدش پر

یعنی: اس کا سر طغرل کا تھا، اور اس کا پورا جسم سونے کا، آنکھ یاقوت کی، اور اس کا پر زبرجد کا۔

اسلامی تاریخ میں دو مشہور شخصیتوں کے نام «طغرل» رہے ہیں۔ ان میں سے ایک «طغرل بیگ» ہیں، ان کا پورا نام یہ ہے: رکن الدنیا والدین ابو

طالب محمد طغرل۔ یہ نام تیسرے حرف کے ضمے کے ساتھ بھی آتا ہے، اور کسرے کے ساتھ بھی، یعنی: طُغرُل، اور طُغرِل۔

یہ سلجوقی سلطنت کے بانی تھے، اور انکی حکومت سنہ ۱۰۳۷ء میں شروع ہوی، اور سنہ ۱۰۶۳ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے ایک عزیز «الپ ارسلان» نے سلجوقی سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی۔

علاقہ اقبال کے شعر میں ان کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں:

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں
غلام طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

سلاطین سلجوق میں سے ایک «سنجر» بھی رہے ہیں۔ اقبال کا اشارہ انہیں کی طرف ہے۔

سنجر کا ذکر علامہ اقبال کے اس شعر میں بھی آیا ہے:

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

دوسری تاریخی شخصیت کا نام «ارطغرل» ہے۔ ترکی میں «ار» (er) کا معنی ہے نر۔ یہ لفظ بعض دوسرے ناموں میں بھی پایا جاتا ہے جیسے ترکی کے حالیہ

صدر کا نام ہے: ‹‹طیب اردوغان››(Erdoğan)۔ لفظ ‹‹دوغان›› کا معنی ہے: شاہین، اور ‹‹اردوغان›› کا معنی ہے: نر شاہین۔

ارطغرل ترک قبیلے قایی کے سردار تھے۔ ان کی اہمیت اس بات میں مضمر ہے کہ وہ سلطنت عثمانیہ (Ottoman Empire) کے بانی عثمان کے والد تھے، اور ان کی وفات ۱۲۸۰ء میں ہوی، اور وہ شہر ‹‹بورصہ›› کے قریب Söğüt نامی قصبے میں مدفون ہیں۔

طوائف

عربی میں «طائفة» کا معنی ہے گروہ، جماعت۔ قرآن شریف میں یہ لفظ کئی بار آیا ہے۔ سورۂ صف کی آیت ۱۴ میں ہے: ﴿فَآمَنَت طَّآئِفَةٌ مِّنۢ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ وَكَفَرَت طَّآئِفَةٌ﴾ یعنی: «بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے انکار کیا»۔

اردو میں ناچنے گانے والیوں کی ٹولی کو طائفہ کہتے ہیں۔ اس کی جمع طوائف ہے لیکن اس کا اطلاق ایک پر ہوتا ہے یعنی: ناچنے گانے والی عورت۔ یہ عجیب طرفہ تماشا ہے، یہ لفظ مفرد میں جمع ہے اور جمع میں مفرد ہے۔

اردو میں اور بھی عربی الفاظ ہیں جو عربی میں جمع ہیں لیکن اردو میں مفرد مستعمل ہوتے ہیں جیسے:

اوقات	جو « وقت » کی جمع ہے بمعنی بساط وحیثیت مفرد ہے۔ کہتے ہیں: « اس کی اوقات ہی کیا ہے » ؟
اسم	عربی میں « اسم » جونام کے معنی میں ہے اس کی جمع « اسماء » ہے اور « اسماء » کی جمع « اسامی » ہے۔ المیدانی کی مشہور کتاب ہے «السّامي في الأسَامي »۔ لیکن اردو میں یہ لفظ بمعنی وظیفہ مفرد ہے۔ کہتے ہیں: کوئی اسامی خالی نہیں ہے۔ اسکی جمع « اسامیاں » ہے۔
نواح	اردو میں مضافات، ارد گرد کے علاقے کو نواح کہتے ہیں۔ یہ لفظ عربی میں «نَاحِيَةٌ» کی جمع ہے۔ «نَاحِيَةٌ» کا معنی ہے : جانب یا طرف۔
اولاد	یہ بھی عربی میں جمع ہے۔ لیکن اردو میں مفرد مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے: ان کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ حالی کہتے ہیں: شریفوں کی اولاد بے تربیت ہے

عَدَسہ

چشمہ میں لگنے والا محدب شیشہ جو دور کی چیز کو قریب، اور چھوٹی چیز کو بڑی کر کے دکھاتا ہے۔ یہ لفظ عربی ہے اور لفظ عدس سے مشتق ہے جس کا معنی ہے مسور کی دال۔

یہ لفظ قرآن شریف میں آیا ہے۔ مصر سے بھاگ نکلنے کے بعد جب یہود صحرا سے گزر رہے تھے اور اللہ تعالی اپنے فضل و کرم سے ان پر من وسلوی نازل فرما رہا تھا تو انہوں نے حضرت موسی علیہ السلام سے شکایت کی کہ انہیں روزانہ ایک ہی قسم کی غذا کھانا پسند نہیں۔ وہ اللہ تعالی سے دعا کریں کہ ان کے لیے زمین سے اگنے والی سبزیاں مہیا کرے۔ جن سبزیوں اور دانوں کا ذکر انہوں نے کیا تھا اس میں عدس بھی شامل ہے۔ (دیکھیے سورۃ البقرۃ آیت نمبر ٦١)۔

عدس اسم جنس جمعی ہے اور اس کے ایک دانے کو عدسہ کہتے ہیں۔ کیمرہ اور چشمے میں لگنے والے اس شیشہ کو بربنائے تشبیہ یہ نام دیا گیا ہے۔

نام رکھنے کا یہ طریقہ یورپی زبانوں سے لیا گیا ہے جن میں اس شیشہ کا نام مسور کے نام ہی سے لیا گیا ہے۔ چنانچہ انگریزی میں عدسہ کو lens کہتے ہیں۔ یہ لفظ لاتینی ہے اور اس کا معنی مسور ہے۔ اور انگریزی میں مسور کے لئے lentil ہے جو اسی lens سے ماخوذ ہے۔

فرانسیسی زبان میں عدسہ اور مسور دونوں کو lentille کہتے ہیں۔

اردو میں لفظ ‹‹عورت›› کا اطلاق مرد کی مادہ پر ہوتا ہے۔ یعنی زن یا مہلا۔

عربی میں اس کے دو واضح معنی پائے جاتے ہیں۔

١. ملک کی سرحد پر ایسی جگہ جو مضبوط اور محفوظ نہ ہو، جہاں سے دشمن بآسانی ملک کے اندر آسکتا ہے۔

سورۂ احزاب میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے۔ کچھ لوگ جنگ احزاب میں شریک نہ ہوے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، اور عذر یہ پیش کیا کہ: ﴿ بُیُوتَنَا عَوْرَةٌ ﴾ یعنی ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ اللہ اسی آیت میں ان کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ ﴿ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ﴾ یعنی ان کے گھر غیر محفوظ نہیں ہیں۔ ان کا منشا فقط میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا ہے۔(سورة الاحزاب : ١٣)

٢. اس لفظ کا دوسرا معنی ہے: ہر وہ چیز جسے انسان چھپاتا ہے، اور جس کا ظاہر ہونا اس کے لیے باعث عار ہے۔

اس معنی کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے:

۱۔ شرم گاہ: قرآن شریف میں ‹‹عورۃ›› اس معنی میں نہیں آیا ہے البتہ ‹‹عورتوں کی پوشیدہ باتوں›› کے معنی میں آیا ہے۔ چنانچہ سورۂ نور کی آیت ۲۱ میں اللہ تعالی ان لوگوں کا ذکر کرتا ہے جن کے سامنے خواتین اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کرسکتی ہیں جیسے شوہر، باپ، وغیرہ۔ اس ضمن میں ایسے بچوں کا بھی ذکر آتا ہے‹‹جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوے ہوں›› ﴿أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا۟ عَلَىٰ عَوْرَٰتِ ٱلنِّسَآءِ﴾(النور: ۳۱).

۲۔ دوسری چیز جس پر لفظ ‹‹عورۃ›› کا اطلاق ہوتا ہے وہ ہے: ایسا عیب جو انسان چاہتا ہے کہ وہ چھپا رہے۔ ایک دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:‹‹اللهم استرْ عوْراتي، وآمِنْ روْعَاتِي›› یعنی اے اللہ! میرے عیبوں پر پردہ ڈال دیجیے، اور میرے خوف کو امن سے بدل دیجیے"[۱]۔

اس طویل بحث کے بعد اس مسئلے کی طرف آتے ہیں کہ اردو میں عورت کو عورت کیوں کہتے ہیں؟

---

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء حدیث نمبر ۳۸۷۱۔

مشہور لغت کی کتاب «المصباح المنير» کے مؤلف الفیّومی اپنی کتاب میں کہتے ہیں: «كُلُّ شَيْءٍ يستره الإنسانُ أنفةً وحَياءً فهو عورةٌ» یعنی: ہر وہ شی جسے انسان از روئے حیا چھپاتا ہے وہ «عورۃ» ہے، اور خواتین بھی «عورۃ» کے باب میں شامل ہیں۔

اسی طرح القاموس المحیط کے مؤلف الفیروزابادی اپنی کتاب «البصائر» میں لکھتے ہیں: «وأصلها من العار كأنه يلحق بظهورها عارٌ أي مذمّة ولذلك سمّيت المرأة عورة»[1]۔

یعنی: لفظ «عورۃ» لفظ «عار» سے ماخوذ ہے گویا کہ اس چیز کے ظاہر ہونے سے انسان کو عار لاحق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاتون کو «عورت» کہتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود عربی زبان میں خواتین پر لفظ «عورت» کے اطلاق کی اصل موجود ہے۔

غلیظ

غلیظ بمعنی گندہ۔ اس لفظ کے دو مصدر ہیں «غِلظت» اور «غلاظت»، دونوں میں پہلا حرف مکسور ہے، پہلے مصدر کی بنسبت دوسرا زیادہ مستعمل ہے۔

---

(۱) تاج العروس: عور۔

یہ لفظ عربی ہے، لیکن اس میں دور تک گندگی کا معنی نہیں پایا جاتا. جس فعل سے یہ لفظ مشتق ہے وہ ہے «غَلُظَ» جس کا معنی ہے کسی چیز کا گاڑھا ہونا، اس معنی میں یہ لفظ «رَقَّ» کی ضد ہے۔

اگر یہ فعل انسان کے لیے بولا جائے، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کسی کے ساتھ سختی برتنا، کسی کے ساتھ سخت لہجے میں بات کرنا۔

چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ جَـٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ وَٱلْمُنَـٰفِقِينَ وَٱغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ (التوبہ ۷۳، التحریم ۹)۔ یعنی اے نبی کفار اور منافقین سے مقابلہ کرو، اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔

اس فعل کے مصدر «غِلْظة» میں بھی یہ معنی پایا جاتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے ﴿وَلْيَجِدُوا۟ فِيكُمْ غِلْظَةً﴾ (التوبہ ۱۲۳) یعنی چاہیے کہ (دشمن) تمھارے اندر سختی پائیں۔

اسی مناسبت سے بے رحم اور سنگدل کو «غَلِيظُ القَلب» کہتے ہیں، ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران ۱۵۹۔

نیز اسی مناسبت سے سخت عذاب کو ﴿عَذَابٌ غَلِيظٌ﴾ کہا جاتا ہے، اور یہ عبارت قرآن شریف کی چار آیتوں میں آئی ہے، ملاحظہ ہو (سورۂ ہود ۵۸، سورۂ ابراہیم ۱۷، سورۂ لقمان ۲۴، سورۂ فصلت ۵۰)۔

سختی میں ایک پہلو مضبوطی اور پختگی کا بھی ہے، اسی لحاظ سے پختہ عہد و پیمان کو «مِیثَاقٌ غَلِیظٌ» کہا جاتا ہے، اور یہ عبارت قرآن شریف میں تین بار آئی ہے ملاحظہ ہو (سورۃ النساء ۲۱ اور ۱۵۴، اور سورۂ احزاب آیت ۷) ﴿وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا﴾ یعنی ہم ان سے پختہ عہد لے چکے ہیں۔

«غَلُظَ» باب استفعال میں «استَغلَظَ» بنتا ہے جس کا لفظی معنی ہے گاڑھاپن طلب کرنا، قرآن شریف میں یہ لفظ کھیتی کے گدرانے کے لیے استعمال ہوا ہے، سورۂ الفتح ۲۹ میں ارشاد باری ہے ﴿كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْـَٔهُۥ فَـَٔازَرَهُۥ فَٱسْتَغْلَظَ فَٱسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِۦ﴾ یعنی ان کی مثال ایک کھیتی جیسی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔

دلچسپی کی بات یہ ہے کہ قدیم اردو میں لفظ «غلظت» انھی عربی معنوں میں مستعمال ہوا ہے، چنانچہ «مطلع العجایب ۱۸۷۳-۲۵۹» میں غالبا بحر میّت کے بارے آیا ہے:

«اوس پانی کی غلظت کے سبب سے کوئی جانورِ دریائی اوس میں نہیں»۔

«مقدمہ طبیعیات ۱۹۱۱: ۱۳۳» میں یہ عبارت آئی ہے:

«جس کی غلظت اور حرارت میں کمی بیشی پائی جاتی ہے»۔

ان عبارتوں میں غلظت بمعنی density ہے.

یہ لفظ سختی اور درشتی کے معنی میں بھی مستعمل ہوا ہے، ذیل کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

«شاید ہجوم اعداء میں مبتلا ہو کر اگر زبان میں حدت اور مزاج میں غلظت آگئی ہو تو عین فطرت بشری تھی» (محمد علی ۱۹۳۰:- ۱۰۹/۲) یہ تینوں اقتباسات اردو لغت سے ماخوذ ہیں.

«غَلُظَ» اور «غلیظ» کے بارے میں اس مفصل بیان سے ظاہر ہے کہ اس لفظ میں کہیں سے بھی گندگی کا مفہوم نہیں ملتا، سوال یہ ہے کہ اردو میں اس لفظ کے اندر گندگی کا مفہوم آیا کہاں سے؟

غور وخوض سے پتہ چلتا ہے کہ یہ «گاڑھے پن» کی کارستانی ہے، پانی اگر گاڑھا ہو تو اس کا مطلب ہے کہ پانی صاف نہیں ہے، اور ہو سکتا ہے کہ وہ گندہ ہو، گندگی کا مفہوم یہیں سے نکلا ہے۔

اس سوچ کی ایک اور مثال بھی پائی جاتی ہے، چنانچہ فارسی اور اردو میں «کثیف» کا معنی ہے گندہ، اور «کثافت» کا معنی ہے گندگی، حالانکہ عربی میں «کثیف» کا معنی ہے گاڑھا۔

قرطاس

قرطاس کا معنی ہے کاغذ، اور اس کی جمع قراطیس ہے۔

سیاسی اصطلاح میں «قرطاس ابیض» سے مراد وہ سرکاری بیان ہے جو عام اطلاع کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔ یہ انگریزی کے White Paper کا ترجمہ ہے۔

یہ لفظ قرآن شریف میں بھی آیا ہے، اور سورۂ انعام کی دو آیتوں میں اس کا ذکر ہے۔ آیت نمبر ۷ میں ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَٰبًا فِى قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴾

یعنی: اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوی کتاب بھی نازل کر دیتے، اور (لوگ) اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے، تب بھی کافر لوگ کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

آیت نمبر ۹۱ میں اللہ تعالی یہودیوں کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿ قُلْ مَنْ أَنزَلَ ٱلْكِتَٰبَ ٱلَّذِى جَآءَ بِهِۦ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ ۖ تَجْعَلُونَهُۥ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا ﴾۔

(ان سے) پوچھو: وہ کتاب جسے موسی انسانوں کے لیے نور وہدایت کے طور پر لے آئے تھے، جسے تم نے کاغذوں میں لکھ رکھا ہے، اور اس کا کچھ حصہ دکھاتے ہو، اور اکثر حصہ چھپا جاتے ہو، اس کتاب کو آخر کس نے نازل کیا؟

یہ لفظ عربی نہیں، معرّب ہے۔ جوالیقی نے اپنی مشہور کتاب المُعرَّب (ص ۵۲۹) میں اسے شامل کیا ہے۔

اسم مسمی کے تابع ہوتا ہے۔ جب کسی قوم میں کوئی چیز پڑوسی ملک یا قوم سے آتی ہے، تو اس کے ساتھ اس کا نام بھی آتا ہے۔

قدیم زمانے کے عرب کاغذ کا استعمال نہیں کرتے تھے۔ جب کاغذ یونان سے آیا تو اس کے ساتھ اس کا نام بھی آیا۔

کاغذ کے لیے یونانی لفظ «خَرتیس» χαρτης ہے۔ پہلے تو عربوں نے اس لفظ کو اپنے رنگ میں رنگا، اس کے «خ» کو «ق» میں بدل دیا، اور «ت» کو «ط» میں۔ اس طرح یہ لفظ «قرطیس» میں تبدیل ہوگیا۔ پھر عربوں نے دیکھا کہ اس لفظ کی شکل «قراطیس» سے قریب ہے جو ایک عربی صیغہ ہے۔ عربی میں یہ جمع کا صیغہ ہے جیسے قنادیل، مفاتیح، مساکین وغیرہ۔ چنانچہ انھوں نے «قراطیس» کو جمع بنادیا، اور اس کا مفرد «قرطاس» بنالیا۔ اس لفظ میں «ق» مکسور ہے، لیکن ضمّہ کے ساتھ بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ یعنی «قُرطاس»۔ مصر میں آج کل عوام اسے «قُرطاس» ہی بولتے ہیں۔

آخر میں ایک دلچسپ بات بتاتا چلوں۔ جنوبی ہند کی مشہور زبان تمل میں بھی لفظ قرطاس عربی سے آیا ہے۔ اس زبان میں اس کا املایوں ہے: கடுதாசி (کٹرداسی)، اور زیادہ تر خط کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ علمائے لغت کا خیال ہے کہ یہ کاغذ کے لیے یہ یونانی لفظ دراصل مصری زبان سے ماخوذ ہے۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے عربی دان حضرات کے لیے متنبی کا ایک خوبصورت شعر پیش کرتا چلوں جس میں «قرطاس» کا لفظ آیا ہے۔ یاد رہے کہ متنبی ایک مشہور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مہم جو انسان بھی تھا۔ کہتا ہے:

اللّیلُ وَالخَیلُ والبَیداء تَعرفُنِي
والسَّیفُ والرُّمحُ والقِرطاسُ والقَلَمُ

یعنی: مجھے نہ صرف رات، گھوڑے، دشت وبیابان، تلوار و نیزہ جانتے ہیں، بلکہ قرطاس و قلم سے بھی آشنائی ہے۔

قَلَعی

رانگ جس سے برتنوں پر سفیدی کی جاتی ہے۔

اس لفظ میں تھوڑی سی تاریخ ہے۔ لیکن جغرافیہ بہت زیادہ ہے۔

یہ لفظ عربی سے اردو میں آیا ہے، لیکن خود عربی میں اسے معرَّب بتایا جاتا ہے جو صحیح ہے۔

عرب جغرافیہ نویس بتاتے ہیں کہ جزیرہ عرب اور چین کے درمیان ‹‹کلہ›› نامی جزیرہ یا جزیرہ نما ہے جہاں سیسہ کی کان ہے۔

چین کا سفر کرنے والوں کے لیے جہاز کا سفر یہاں ختم ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد برّی سفر شروع ہوتا ہے۔

معجم البلدان میں لکھا گیا ہے کہ اس کا محل وقوع خط استواء کے قریب ہے۔

یورپین محققین نے اس جگہ یعنی ‹‹کلہ›› کو جزیرہ نما ملایا سے جوڑا ہے۔ یاد رہے کہ ملایا کا جنوبی سرا خط استواء سے بالکل ملا ہوا ہے۔ اس کا خط عرض البلد ۲۲.۱ شمال ہے۔ اس کے شمالی ساحل پر شہر ‹‹قَدَح›› (Kedah) واقع ہے جس کے بارے میں یورپین محققین کہتے ہیں کہ یہ لفظ ‹‹کلہ›› کی بگڑی ہوی شکل ہے۔

بہر حال اس خطّے ‹‹کلہ›› کی نسبت سے ‹‹کَلَہی›› بنا جو عربی زبان میں پہنچ کر ‹‹قلعی›› بن گیا۔

کالم

اخبار کا صفحہ ۶، ۷ یا ۸ عمودی حصوں میں منقسم ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کو ‹‹ کالم ›› کہتے ہیں۔ یہ لفظ انگریزی ہے، اور انگریزی میں اس کا املا column ہے۔ اس لفظ کے آخر میں جو حرف ہے وہ صرف دکھاوے کا ہے اس لیے پڑھا نہیں

جاتا۔ ہاں «کالم نگار» کے لئے جو انگریزی لفظ columnist ہے، اس میں n پڑھا جاتا ہے۔

لفظ column کا اصل معنی ہے «ستون»۔ اخبار کے کالم کو ستون سے تشبیہ دی گئی ہے۔ فوجی دستے کو بھی تشبیہا column کہتے ہیں۔

انگریزی میں fifth column ایک محاورہ ہے جس کا معنی ہے ملک کے غدار جو دشمنوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اسپین کی جنگ کے دوران جب دشمنوں کے چار کالم مدرید کی طرف بڑھ رہے تھے تو ملک کی حفاظت پر مامور فوجی دستے کے جنرل نے کہا: «بڑھتے چلو۔ ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ تم چار دستوں کے ساتھ ہم پانچواں دستہ ہیں»۔

اخباری کالم کے سلسلے میں ایک بات رہ گئی ہے۔ ہمارے ایک اخبار نویس دوست جو فارسی بھی جانتے ہیں حافظ شیرازی کے مشہور مصرع:

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(صفحۂ ہستی پر ہماری ہیشگی یقینی ہے)

کو اس طرح پڑھتے ہیں:

ثبت بر جریدۂ کالم دوام ما!

کور کمانڈر

فوج میں ایک رتبہ «کور کمانڈر» کا ہے۔ ظاہر ہے یہ دونوں لفظ انگریزی کے ہیں۔ «کور» کا معنی فوج کا ایک دستہ ہے جیسے سگنل کور یعنی سگنل پہ مامور دستہ۔

«کور» کے لفظ کو آپ اردو میں لکھیں تو آپ کو سستا پڑے گا کیونکہ آپ کو صرف تین حرف لکھنے پڑیں گے۔ انگریزی میں یہ لفظ پانچ حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔ اور اس کا املا یوں ہے: corps لیکن اس کے آخری دو حرف دکھانے کے ہیں چبانے کے نہیں۔

اس لفظ کو آپ احتیاط سے لکھیں۔ کیونکہ اگر اس کے آخر میں غلطی سے e کا حرف لکھ دیا جائے تو یہ لفظ لاش میں تبدیل ہو جائے گا۔ corpse کا معنی ہے لاش۔ مردہ جسم۔

میں آپ کا سوال سن رہا ہوں۔ آپ پوچھ رہے ہیں کہ کیا ان دونوں لفظوں کے درمیان کوئی رشتہ ہے؟

جواباً عرض ہے: ہاں ان دونوں لفظوں کے درمیان گہرا رشتہ ہے۔ دراصل یہ دونوں بھائی ہیں۔ اور ان کے ابا لاتینی زبان کا لفظ corpus ہے جس کا معنی ہے

جسم۔ عیسائیوں کے ایک تہوار کا نام Corpus Christi ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے: مسیح کا جسد۔

انگریزی میں اس سے بہت سارے الفاظ بنے ہیں جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

لفظ	معنی
corporal	جسمانی۔ جیسے corporal punishment یعنی جسمانی سزا۔
corpulent	لحیم شحیم۔
corporation	تنظیم جسے جسم سے تشبیہ دی گئی ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ دونوں الفاظ corps اور corpse در اصل لاتینی corpus کی اولاد ہیں۔ اول الذکر کی ولادت فرانس میں ہوئی۔ فرانس کے آزادانہ ماحول کا اثر اس کی زبان پر بھی پڑا ہے۔ اس زبان میں اکثر الفاظ کے آخری دو ایک حرف چپکے سے نکل جاتے ہیں اور پڑھنے میں نہیں آتے جیسے corps کے آخری دو حرف چکمہ دے کے نکل گئے ہیں۔

اسی طرح اردو میں وزراء کی مجلس کو « کابینہ » کہتے ہیں۔ یہ بھی فرانسیسی لفظ ہے۔ اور اس کا املا ہے cabinet لیکن اس کا آخری حرف « t » چپکے سے نکل گیا ہے۔

یہی لفظ انگریزی میں بھی اسی شکل میں موجود ہے۔ لیکن کیا مجال کہ اس کا آخری حرف اپنی جگہ سے سرک پائے چہ جائیکہ پوری طرح چمپت ہو جائے۔

انگریز فرانسیسیوں کی اس عادت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اسی بنا پر ان کے یہاں یہ محاورہ بنا ہے: to take French leave یعنی فرانسیسی طرز کی چھٹی لینا۔ جس کا مطلب ہے: آنکھ بچا کر نکل جانا۔ چپکے سے کھسک جانا۔

دوسرے لفظ corpse کی ولادت انگلستان میں ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے اس کے تمام حرف پڑھے جارہے ہیں۔ اور یہاں فرانس جیسا مزاج نہیں ہے۔

اور انگریزی زبان کی عادت ہے کہ آخری حرف کو اپنی جگہ ثابت رکھنے کے لیے e کی کھونٹی ٹھوک دیتی ہے۔ یہ حرف پڑھا نہیں جاتا کیونکہ اس کا کام لفظ کے آخری حرف کو French leave لینے سے روکنا ہے۔

کوہ قاف

ایک افسانوی پہاڑی سلسلہ جس کا ذکر جغرافیہ کی قدیم کتابوں میں آیا ہے، اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ سلسلہ پوری زمین کو گھیرے ہوے ہے، اور اتنا بلند ہے کہ اس کی چوٹی اور آسمان کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہے کہ ایک آدمی کھڑا ہو سکے (ملاحظہ ہو معجم البلدان: قاف)۔

ان پہاڑوں کو جنّوں اور پریوں کا مسکن بتایا جاتا ہے، اور جو خیالی پرندہ سیمرغ کہلاتا ہے اس کا وطن بھی یہی ہے۔

فارسی کا ایک شاعر کہتا ہے:

کہ صیت گوشہ نشینان ز قاف تا قاف است

یعنی گوشہ نشینوں کی شہرت کوہ قاف کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی ہے۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

چنان پہن خوانِ کرم گسترَد
کہ سیمرغ در قاف روزی خورد

یعنی اس کا خوان کرم اس قدر پھیلا ہوا ہے کہ سیمرغ کوہ قاف پر بیٹھا اپنی روزی کھا رہا ہے۔

بہت افسوس کی بات ہے کہ بعض مفسرین نے سورۂ ق کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سورت میں «ق» سے مراد کوہِ قاف ہے، لیکن خوشی کی بات ہے کہ تفسیر التحریر والتنویر کے مصنف علامہ ابن عاشور نے بہت ہی سخت لفظوں میں اس قول پر نکیر کیا ہے۔

دوبارہ کوہِ قاف کی طرف لوٹتے ہیں، یہ افسانہ دراصل ایک حقیقت پر مبنی ہے، حقیقت میں یہ ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو بحر قزوین(Caspian Sea) اور بحر اسود (Black Sea) کے درمیان بارہ سو کیلو مٹر کی لمبائی میں پھیلا ہوا ہے اور اس کی سب سے اونچی چوٹی کوہ البُرز (Elbrus) ہے جس کی بلندی ۱۸۵۱۰ افٹ ہے۔

روسی زبان میں اس سلسلے کا نام « قافقاز » кавказ ہے، اور انگریزی میں Caucasus۔

قدماء نے اس طویل نام کو مختصر کرلیا اور اس کے نصف اول کو یعنی « قاف » پر اکتفا کرلیا، یہاں پر یہ کہنا چاہیے:

گھٹا بھی دیتے ہیں کچھ زیبِ داستاں کے لیے!

اس بات کی تائید کہ کوہ قاف سے مراد کوہ قافقاز ہی ہے معجم البلدان کے مصنف یاقوت الحموی کے اس قول سے ہوتی ہے کہ کوہِ قاف کو قدماء « البرز » کہتے ہیں۔

جس پہاڑی سلسلے کی لمبائی بارہ سو کیلو میٹر ہو اس کے بارے میں اگر قدما یہ کہیں کہ یہ پوری دنیا پر محیط ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

اسی طرح ۱۸۵۱۰ فٹ کی بلندی والی چوٹی کے بارے میں اگر قدماء یہ کہیں کہ اس کے اور آسمان کے درمیان بس اتنی سی گنجائش ہے کہ ایک آدمی کھڑا ہو سکے تو اس میں بھی تعجب کی کوئی بات نہیں۔

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

کھیر

ہم یہاں کھیر کی بات کریں گے، ٹیڑھی کھیر کی نہیں۔

چونکہ کھیر کا جزء اعظم دودھ ہوتا ہے، اس لیے اس کا نام دودھ کے لفظ سے ماخوذ ہے۔

سنسکرت میں دودھ کے لیے جو لفظ ہے وہ ہے ‹‹کشیر›› क्षीर ۔اس لفظ میں ‹‹ک›› اور ‹‹ش›› کو ملا کر ایک ہی حرف کی طرح پڑھا جاتا ہے۔

دو حرفوں کا یہ مجموعہ ہندی میں ‹‹کھ›› بن جاتا ہے جیسے ‹‹کھتری›› جو سنسکرت میں ‹‹کشتّرِی›› ہے۔

فارسی اور سنسکرت بہنیں ہیں۔ آج کل کی فارسی میں دودھ کے لیے لفظ ‹‹شیر›› ہے۔ بہن کے لیے اردو میں ‹‹ہمشیرہ›› کہتے ہیں یعنی وہ جو ماں کے دودھ میں آپ کی شریک ہے۔

«شیر» قدیم فارسی میں «خشیر» تھا، یعنی بالکل سنسکرت کے «کشیر» کی طرح، بس فرق اتنا ہے کہ فارسی میں «خ» ہے، اور سنسکرت میں اس کی جگہ «ک»۔

«خشیر» میں بھی «خ» اور «ش» کو ملا کر ایک ہی حرف کی طرح پڑھا جاتا ہے۔

اسکی ایک اور مثال فارسی کا لفظ «شب» ہے۔ قدیم فارسی میں اسکی شکل ہے «خشپ» khshap۔

لات ومنات

اسلام سے پہلے مشرکین عرب اللہ تعالی کی الوھیت کے قائل تو تھے لیکن انھوں نے اس کے لیے تین بیٹیاں بنا رکھی تھیں جو: لات، عُزىٰ اور مناۃ کہلاتی تھیں۔ سورۂ نجم میں اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ أَفَرَءَيْتُمُ ٱللَّٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ * وَمَنَوٰةَ ٱلثَّالِثَةَ ٱلْأُخْرَىٰٓ * أَلَكُمُ ٱلذَّكَرُ وَلَهُ ٱلْأُنثَىٰ * تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰٓ ﴾ (النجم ۱۹-۲۲)۔

یعنی: کیا تم نے کبھی لات، عزی اور وہ تیسری دیوی مناۃ کے بارے میں غور کیا؟ کیا تمہارے لیے تو نرینہ اولاد ہو، اور اس کے حصے میں صرف بیٹیاں؟ یہ تو پھر بڑی دھاندلی والی بانٹ ہوی۔

اردو میں یہ الفاظ خدایان باطل کے معنی میں مستعمل ہیں۔

علامہ اقبال کے آباء واجداد کشمیری برہمن تھے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوے وہ فرماتے ہیں:

میں اصل کا خاص سومناتی

آبا میرے لاتی ومناتی

علامہ اقبال کی مشہور نظم «ابلیس کی مجلس شوری» میں ابلیس اور اس کے مشیر مسلمانوں کو عملی زندگی سے دور رکھنے کے منصوبوں پر غور کرتے ہیں۔ آخر میں ابلیس علم کلام کے بعض پیچیدہ مسائل کا ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے کہ یہ مسائل مسلمانوں کو بحث مباحثہ میں مشغول رکھنے کے لیے کافی ہیں:

کیا مسلماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں

یہ الہیات کے ترشے ہوے لات ومنات

یاد رہے کہ لفظ «مناة» عربی میں گول «ۃ» (التاء المربوطة) کے ساتھ لکھا جاتا ہے مگر اردو میں کھلی «ت» (التّاء المفتوحة) کے ساتھ۔

لزبین

یہ انگریزی لفظ ہے۔ اس کا املا lesbian ہے، اور اس کا معنی: ہم جنس پرست عورت۔

ترکی کے مغرب میں بحر لجہ Aegean Sea ہے۔ اس کے شمال میں ترکی کے ساحل سے بالکل قریب ایک یونانی جزیرہ ہے جس کا نام لیسبوس (Lesbos) ہے۔

قدیم زمانے میں یہاں یونانی زبان کی ایک مشہور شاعرہ گذری ہے جس کا نام سافو (Sappho) تھا۔ اس کی پیدائش ۶۱۰ ق م اور وفات ۵۸۰ ق م میں ہوی۔

وہ بہت نامور شاعرہ تھی، اور کہا جاتا ہے کہ یونانی زبان کے صرف دو شاعروں کو چھوڑ کر، باقی تمام شعراء پر اس کو فوقیت حاصل تھی، وہ غزل کی شاعرہ تھی، اور اس کا موضوع کلام عشق و محبت تھا۔ لیکن اس کے اشعار کا اکثر حصہ اب ضائع ہو چکا ہے۔

قدیم تنقید نگاروں کو سافو کی شاعری کا بہت بڑا حصہ دستیاب تھا۔ اس کی روشنی میں انھوں نے سافو کو ہم جنس پرست قرار دیا ہے۔ Encyclopedia Britannica کا مضمون نگار کہتا ہے کہ عورتوں کے سلسلے میں سافو کے جذبات محض دوستی کے جذبات سے یقیناً کہیں زیادہ ہیں، لیکن اس کی شاعری کے جو اجزاء ہمیں دستیاب ہیں ان سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ اس کے جنسی تعلقات تھے۔

حقیقت جو بھی ہو، سالبفو پر ہم جنس پرست ہونے کا الزام لگ چکا ہے۔ اور نسوانی ہم جنس پرستی کو اس جزیرے کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ جزیرۂ لیسبوس کی باشندہ کو Lesbian کہیں گے یعنی «لیسبوس والی»، اور یہ لفظ اب ہم جنس پرست عورت کا مترادف بن چکا ہے۔ یورپ کی کئی زبانوں میں یہ لفظ مستعمل ہے۔

لن ترانی

یہ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۴۳ کا ایک حصہ ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالے سے دیدار کی خواہش ظاہر کی، تو ارشاد ہوا : ﴿لَن تَرَىٰنِي﴾ (الأعراف: ١٤٣) یعنی: «تم مجھے دیکھ نہیں پاؤ گے»۔ نیز ارشاد ہوا: «ذرا اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر وہ اپنے حال پر برقرار رہے، تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ جب ان کے رب نے پہاڑ پر اپنی تجلّی فرمائی، تو تجلی نے اس کے پرخچے اڑا دیے، اور موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے»۔

اردو شاعری میں «لن ترانی» کی عبارت قرآنی تلمیح کے طور پر مستعمل ہے۔ چنانچہ داغ کہتے ہیں:

سن چکے ہیں لن ترانی ہو چکا ہم سے حساب
آئیے اب آئیے اے بندہ پرور سامنے

اور نظیر کہتے ہیں:

لن ترانی نے کیا اپنا ظہور آخر کار
موسیٰ بے خود ہوے اور جل گیا طور آخر کار

ایک اور شاعر کہتے ہیں:

دکھادے منہ تو اس کی مہربانی
نہ ہو مرضی تو کہہ دے لن ترانی

لیکن حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ اردو والوں نے «لن ترانی» کی عبارت کو خودستانی، تعلّی اور ڈینگ پر محمول کیا۔ اگر یہ عبارت کسی انسان کی ہوتی تو یقیناً اس سے تعلّی کی بو آسکتی ہے، لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کا قول ہے، اس سے یہ معنی کیسے اخذ کیا جاسکتا ہے؟

اظفری کہتے ہیں:

تمہارا اظفری ہے شعر کچھ بھی
زیادہ لن ترانی اب نہ ہانکو

مافیا

یہ انگریزی لفظ mafia سے ماخوذ ہے، لیکن دراصل یہ جزیرۂ سسلی (Sicily) میں بولی جانے والی اطالوی زبان کا لفظ ہے۔ مافیا نامی مجرموں کی خفیہ

تنظیم پہلے پہل سسلی ہی میں قائم ہوی تھی، بعد میں دنیا بھر میں پھیل گئی۔ اس لفظ کا اطلاق مجازًا ایسی جماعتوں پر بھی ہوتا ہے جو خفیہ اثر ورسوخ کے ذریعے مختلف اداروں سے غلط کام کرواتی ہیں۔

مرحبا

عربی میں یہ لفظ خوش آمدید کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ دو اور لفظ بھی بولے جاتے ہیں جو یہ ہیں: أهلاً وسَهلًا ومرحَبًا۔

ان الفاظ کے معانی کیا ہیں؟ اس کا پتا ابھی چل جائے گا۔

«أهل» کا معنی ہے: اہل وعیال، خاندان کے افراد۔ میزبان جب مہمان سے «أهلاً» کہتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم آپ کے اہل وعیال کی طرح ہیں۔ ہم سے کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہ کرنا، ہم کو اپنا ہی سمجھنا۔

دوسرا لفظ «سہل» ہے جس کا معنی ہے: نرم زمین جس پر آدمی بآسانی چل پھر سکتا ہے، اور سفر کر سکتا ہے۔ اس لفظ کے ذریعے میزبان مہمان کو یہ اطمینان دلانا چاہتا ہے کہ یہاں سے سفر کرنے میں آپ کو کسی قسم کی دشواری نہیں پیش آئے گی۔

اس موقعہ پر آج کل کا میزبان اپنے مہمان سے کہے گا کہ آپ کو واپسی میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی کیونکہ یہاں سے ring road یا Interstate بہت قریب ہے۔

تیسرا لفظ «مرحباً» ہے جس کا معنی ہے: کشادگی۔ گویا میزبان مہمان سے یہ کہ رہا ہے کہ میرا خیمہ (یا گھر) بہت بڑا ہے، اور اس میں کافی گنجایش ہے، اور آپ میرے یہاں بآسانی رہ سکتے ہیں۔

مسالا

مسالا: ہر چیز کی تیاری کی ضروریات اور لوازم، جیسے:

- تعمیر کے لیے چونا، گچ وغیرہ... «معماروں کے پاس سوائے اینٹ کے دوسرا مسالا نہ تھا» .... «جوڑنے کا مسالہ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ قلعے کی دیواریں ایک ایک کر کے گر رہی تھیں» [1]۔
- وہ مواد جس سے تصنیف و تالیف میں مدد ملے: «اس سفر میں آپ نے الفاروق کے لیے کافی مسالا جمع کیا»۔
- گوٹا کناری وغیرہ جس سے کپڑوں کی چمک دمک زیادہ ہو:

---

(١) اس لفظ کی تحقیق میں جو اردو اقتباسات آئے ہیں وہ سب «اردو لغت» سے ماخوذ ہیں۔

اے جان ایسا چھاتی سے لپٹایا بھینچ کر
انگیا کا میرا سارا مسالا مسل گیا

- وہ چیزیں جو کھانے میں ذائقے کے لیے ڈالی جائیں: «ڈنر کیا تھا؟ ستر لوازمات و بہتر مسالوں میں پورا چڑیا گھر آباد تھا، ہر چرند و پرند مع پر اور پنجوں کے یونہی سالم سجا ہوا تھا»۔

«مسالا» حرف «ہ» کے ساتھ بصورت «مسالہ» بھی لکھا جاتا ہے، یہ لفظ دراصل «مصالحہ» کی محرف شکل ہے، اردو میں خود یہ لفظ بھی مستعمل ہے، جیساکہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہے۔

- ... «مصالحوں میں گندھے ہوئے گوشت کو آگ پر رکھنے سے ایک ایسی خوشبو دھویں کے ساتھ چاروں طرف پھیلی تھی کہ بے اختیار منہ میں پانی آگیا»۔

- ... «اور یہ سب بغیر گچ یا مصالحے سے اس طرح جمائی ہیں کہ آسانی سے نکال کر دوسری جگہ جمائی جاسکتی ہے»...۔

ذیل کے شعر میں اس کا معنی بال دھونے کا ایک مرکب ہے:

مصالحے مہکتے ہوئے سر میں ڈال
ملیں جسم سے وہ خوش خصال

یہ لفظ در اصل عربی ہے، عربي میں «صَلَحَ» لفظ «فَسَدَ» کا عکس ہے، «فَسَدَ» کا معنی ہے بگڑنا، خراب ہو جانا، جیسے «فَسَدَ الطَّعامُ»، یعني کھانا خراب ہو گیا۔

تو «صَلَحَ» کا معنی ہوا کسی چیز کا ٹھیک رہنا، خراب نہ ہونا، اور اسی سے «مَصْلَحَةٌ» کا لفظ مشتق ہے، اس کا معنی ہے وہ امور جن میں کسی چیز کی اچھائی اور بھلائی مضمر ہے، اس کی جمع «مصالح» ہے۔

فارسی میں لفظ «مصالح» کا اطلاق کسی چیز کے ان اجزاء اور لوازم پر ہونے لگا جو اس چیز کو بگاڑ سے بچاتے ہیں۔

چنانچہ چراغ کے تیل کو بھی مصالحہ چراغ کہا جانے لگا۔

ملا شکانی کہتے ہیں:

در چراغ مہ از اول شب مصالح شد تمام
طی نشد افسانہ ھای درد جانفرسای من

یعني: پہلی ہی رات چاند کے چراغ کا تیل ختم ہو گیا، لیکن میرے درد کی داستانیں ختم نہ ہوئیں۔

اور اسی طرح اس لفظ کا اطلاق تعمیر کے لوازم، کھانوں کو خوش ذائقہ بنانے والی چیزوں وغیرہ پر بھی ہونے لگا۔

فارسی نے اس لفظ کی عربی شکل کو باقی رکھا، لیکن یہ لفظ اردو میں داخل ہوا تو اس کے حروف میں برکت ہوئی، اور اس کے آخر میں ایک «ہ» کا اضافہ ہو گیا، اور یہ لفظ «مصالحہ» بن گیا۔

پھر آگے اردو والوں نے اس بیچاری پر اور ظلم ڈھائے، اس کی «ص» کو «س» سے بدل دیا، اور اس کی «ح» کو بالکل ہڑپ ہی کر گئے۔

اس کی ایک سہیلی ہے جس پر بھی اردو والوں نے اس قسم کے ظلم ڈھائے ہیں، وہ بیچاری ہے «سہی»، کیا آپ جانتے ہیں کہ اس کی اصل کیا ہے؟ اس کی اصل ہے «صحیح»، اس کے «ص» کو بھی «س» سے بدل دیا، پہلی «ح» کو ھڑپ نہیں سکے تو اس کو کمزور ہائے ہوز بنا دیا، دوسری «ح» لفظ کے آخر میں تھی تو اس کو دھکا دے کر گرا دیا۔

عربی کا جو حرف لفظ کی آخر میں ہونے کی وجہ سے اردو میں مستقل طور پر دھکا دے کر گرا دیا جاتا ہے، وہ ہمزہ ہے جیسے: فضا، قضا، ادا، ہوا، خلا، ندا، فدا وغیرہ۔ عربی میں ان تمام لفظوں کے آخر میں ہمزہ ہوتا ہے جیسے: فضاء، قضاء، اداء، ہواء، خلاء، نداء، فداء۔

معمہ

معمی: پہیلی، پیچیدہ بات، الجھا ہوا مسئلہ۔ شاعر کہتا ہے:

ایک معمی ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ایک خواب ہے دیوانے کا

عربی میں «عَمِيَ» کا معنی ہے: اندھا ہو جانا۔ اور «عَمِيَ عَلَيهِ الخَبَرُ» کا معنی ہے: بات کا واضح نہ ہونا۔ قرآن شریف میں یہ لفظ آیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَآ أَجَبْتُمُ ٱلْمُرْسَلِينَ * فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ ٱلْأَنۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُونَ ﴾ (القصص ٦٥-٦٦)۔

ترجمہ: اور فراموش نہ کریں یہ لوگ وہ دن جب کہ وہ ان کو پکارے گا اور پوچھے گا کہ جو رسول بھیجے گئے تھے انہیں تم نے کیا جواب دیا تھا؟ اس وقت کوئی جواب ان کو نہ سوجھے گا اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ ہی سکیں گے۔

باب تفعیل میں آکر یہ لفظ «عمّٰی» بنتا ہے۔ «عَمّٰی عَلَيهِ القَولَ» کا معنی ہے کہ بات اس طرح بتانا کہ مخاطب اس کو سمجھ نہ پائے۔

اس فعل کا اسم مفعول «مُعَمًّى» ہے یعنی پہیلی میں بتائی ہوئی بات۔

آج کل یہ لفظ اردو میں «ہ» کے ساتھ «معمّہ» کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔ «معمی» کے لیے ایک اور لفظ «چیستاں» ہے۔ یہ فارسی ہے۔ یہ لفظ نہیں، بلکہ پورا ایک جملہ ہے۔ اس کا معنی ہے: «وہ کیا ہے؟»۔

اس معنی میں ایک تیسرا لفظ «پہیلی» ہے جسے سہیلی بوجھتی ہے۔ یہ ہندی لفظ ہے اور سنسکرت لفظ «پرہیلی» प्रहेलि کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

آج کل اردو میں «منہ» سے مراد چہرے کا وہ حصہ ہے جس میں زبان ہوتی ہے۔ زبان کا محل وقوع بتاتے ہوئے غالب کہتے ہیں:

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں

لیکن کسی زمانے میں منہ کا رقبہ بہت بڑا تھا، اور وہ پورے چہرے پر محیط تھا۔ اور تاریخی لحاظ سے یہی معنی صحیح ہے کیونکہ «منہ» سنسکرت کے لفظ «مکھ» मुख से ماخوذ ہے جس کا معنی چہرہ ہے۔ اردو میں «مکھ» تو نہیں بولتے، البتہ اسکا مصغر «مکھڑا» بہت بولا جاتا ہے۔

«منہ» اپنے اصلی معنی میں آج کل بھی بعض محاوروں میں مستعمل ہے، جیسے «منہ دکھانے کے قابل نہ رہنا»، «منہ پھیر لینا»، «کسی کا منہ کالا کرنا»۔ غالب کہتے ہیں:

کعبہ کس منہ سے جاؤگے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

اور ذوق کہتے ہیں:

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

ان دونوں شعروں میں بھی وہی بڑے رقبے والا «منہ» مراد ہے۔

مہمیز

مہمیز: وہ خار دار پھرکی جو سواروں کی ایڑی پر لگی ہوتی ہے، اور اسی سے گھوڑے کو ایڑ دیتے ہیں۔

داغ کہتے ہیں:

اک اشارے میں یہ تا ملکِ عدم جا پہنچا
توسنِ عمر کو کیا حاجتِ مہمیز رہے

ولی دکنی کہتے ہیں:

شوق کے مرکب کوں راہِ عشق میں
اے سجن تیری نگہ مہمیز ہے

یہ عربی لفظ ہے، اور عربی میں اس کی اصل «مهماز» ہے، الف کے ساتھ۔

یہ فعل «هَمَزَ» سے مشتق اسم آلہ ہے، اور «هَمَزَ» کا معنی ہے زور لگانا، دباؤ ڈالنا، تو «مهماز» کا معنی ہوا زور لگانے والا آلہ۔

عربی کے بعض الفاظ میں الف کو «ے» سے پڑھا جاتا ہے، اس صوتی تبدیلی کا نام امالہ ہے، اردو میں عربی کے بعض الفاظ امالہ کے ساتھ لیے گئے ہیں، جیسے:

لکن	توراة	مواشي	جهاز
لیکن	توریت	مویشی	جہیز

مہماز کے الف کی کمر کو بھی اسی امالہ نے توڑ ڈالا ہے، جس کی وجہ سے یہ لفظ « مہماز » سے « مہمیز » بن گیا، ویسے اردو میں مہماز اپنی اصلی حالت میں بھي مستعمل ہے، زکی کہتے ہیں:

روش برق ہے سرگرم روانی ہر دم
توسن عمر کو کچھ حاجت مہماز نہیں

یہاں « مہمیز » کی کمر ابھی سیدھی ہے۔

میڈیا

انگریزی میں medium کا ایک معنی ہے ذریعہ، جیسے medium of instruction یعنی ذریعہ تعلیم، اور medium of communication یعنی ذریعہ ابلاغ۔ اس کی جمع media ہے جیسے forum کی جمع fora ہے۔

media دراصل media of communication کا اختصار ہے۔

گھٹا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کے لیے

اسی کا ترجمہ اردو میں: ((ذرائع ابلاغ)) ہے، اور آج کل کی عربی میں: ((وسائل الإعلام))۔ میڈیا پہلے اخبار، ریڈیو، اور ٹی وی تک محدود تھا، اور آج کل اس میں انٹرنیٹ بھی شامل ہوگیا ہے۔

ناب

اس کا معنی ہے خالص، جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو۔ اسی لیے خالص شراب کو شراب ناب کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

شراب ناب کو دو آتشہ بنا کے پلا
پلانے والے نظر سے نظر ملا کے پلا

فارسی کے شاعر عطار کہتے ہیں:

تاب روی تو آفتاب نداشت
بوی زلف تو مشک ناب نداست

یعنی: سورج میں تیری طرف دیکھنے کی طاقت نہ تھی، اور مشک خالص میں تیری زلف کی خوشبو برداشت کرنے کی طاقت نہ تھی۔

فارسی کا ایک اور شعر ہے:

تنش سیم است، ولب یاقوتِ ناب است

ہمہ دندانِ او دُرّ خوشاب است

یعنی: اس کا جسم چاندی ہے، اور لب یاقوت خالص اور اس کے دانت تابدار موتی ہیں۔

«ناب» فارسی لفظ ہے، اور یہ لفظوں سے مرکب ہے:

۱- «نا» جو نفی کی علامت ہے، اور

۲- «آب» بمعنی پانی۔

اس مرکب لفظ کا معنی ہوا: جس میں پانی کی آمیزش نہ ہو۔

ایسا لگتا ہے کہ یہ لفظ ابتداء میں خالص شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا، پھر اس کا معنی عام ہو گیا، اور ہر خالص چیز پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔

انگریزی میں ایک لفظ aneroid ہے جس کا معنی ہے: ایسا آلہ جس میں کوئی مائع عنصر نہ ہو، جیسے aneroid barometer یعنی سوکھا بارپیما۔ اس کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس میں پارا نہیں ہوتا جو مائع ہے۔

aneroid کے لیے اردو میں «ناب» استعمال کر سکتے ہیں جیسے: ناب بارپیما۔

نان خطائی

ایک قسم کی مٹھائی جو میدہ، شکر اور گھی سے بنتی ہے۔

اس نام کا اصلی معنی کیا ہے؟ اس پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اس کا لفظی معنی ہے: «خطا کی روٹی»۔ لیکن ابھی عقدہ نہیں کھلا۔ اب لفظ «خطا» کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا تعلق عربی لفظ «خطا» بمعنی قصور سے نہیں ہے۔ یہ فارسی لفظ ہے جو «ختا» کی شکل میں بھی لکھا جاتا ہے، اور یہ ایک خطے کا نام ہے جس کا اطلاق قدیم زمانے میں چین کے شمالی حصے اور اس سے متصل منگولیا پر ہوتا تھا، یہی لفظ انگریزی میں Cathay کی شکل میں مستعمل ہے۔ اسی مناسبت سے Hong Kong کی ایک ہوائی کمپنی کا نام Cathay Pacitic رکھا گیا ہے۔

فیروز اللغات میں لکھا ہے کہ خطا چین کا ایک شہر ہے جو مشک کے لیے مشہور ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ جو شہر مشک کے لیے مشہور ہے وہ «ختن» ہے جو چین کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اور خطا چین کے شمال مشرق میں واقع ہے جس کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔

قدیم انگریزی میں لفظ Cataian چینی باشندے کے لیے مستعمل تھا۔ چنانچہ شیکسپیر کے ڈرامے The Merry Wives of Windsor میں یہ لفظ آیا ہے، ملاحظہ ہو:

I will not believe such a Cataian though the priest o' the town commended him for a true man.[1]

«میں اس قسم کے خطائی پر بھروسہ نہیں کروں گا گو کہ شہر کے پادری نے اس کے سچا ہونے کی گواہی دی ہے»۔ یاد رہے کہ اس وقت لفظ Cataian چور کے معنی میں بولا جاتا تھا۔

نان خطائی جب ہندی زبان میں داخل ہوی، تو اس کی مٹھاس کٹھاس میں بدل گئی، اور یہ مٹھائی نہ رہی، بلکہ کھٹائی ہو گئی۔ یاد رہے کہ ہندی میں اس مٹھائی کو «نان کھٹائی» नान-खटाई کہتے ہیں۔

اردو والے بعض ملکوں سے منسوب کھانے کی چیزوں کو بہت پسند کرتے ہیں، جیسے: چینی، خطائی، شامی اور مصری۔ مصری کو «نبات» بھی کہتے ہیں۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

مصری نہ بات (نبات) کر سکے، شامی کباب تھے

نطشہ

نطشہ: مشہور جرمن فلسفی جو ۱۸۴۴ میں پیدا ہوا اور ۱۹۰۰ میں فوت ہوا۔

---

(۱) Act ii, Scene i.

علامہ اقبال نے اس کا نام اسی طرح لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو: کلیات فارسی ص ۷۳۹)۔

اس لفظ کا املا جرمن زبان میں اس طرح ہے Nietzsche اور اس کا تلفظ ہے «نیچے»۔ علامہ اقبال نے جرمنی میں تعلیم حاصل کی تھی، اور ظاہر ہے وہ جرمن زبان سے اچھی طرح واقف رہے ہوں گے، اور ان کو اس لفظ کا صحیح تلفظ معلوم ہونا چاہیے تھا۔ میں حیرت میں ہوں کہ انہوں نے اس لفظ کو اس طرح کیوں لکھا؟ جدید فارسی میں یہ لفظ صحیح طور پر لکھا جاتا ہے۔ اور اس کا املا ہے «نیچہ»۔

اس مسئلہ پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ علامہ اقبال نے اچھا ہی کیا۔ ورنہ ہمیں «نیچے کی زندگی»، «نیچے کی موت»، «نیچے کا فلسفہ» جیسی عبارتوں کے بولنے میں کافی جھجک محسوس ہوتی، اور انکے سمجھنے میں کافی دقت پیش آتی۔

یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ عربی میں یہ لفظ «نیتشہ» کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ آج کل کی عربی میں «چ» کی آواز کو «تش» سے ادا کیا جاتا ہے جیسے: «تشرتشل» یعنی Churchil۔

ہڑتال

آج کل ہر سیاسی پارٹی اپنی بات منوانے کے لیے آئے دن «ہڑتال» کرتی بلکہ کراتی ہے۔ «ہڑتال» کے اجزائے ترکیبی میں بہت ساری چیزیں شامل ہیں

جیسے: جلوس، نعرے، توڑ پھوڑ، پتلے جلانا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس کا سب سے اہم جز جس سے ہڑتال کی ابتدا ہوتی ہے وہ ہے: دکانیں بند کرنا یا کرانا۔ لفظ «ہڑتال» کا معنی بھی یہی ہے۔

اس لفظ کی اصل «ہٹ تال» ہے جس میں «ہٹ» لفظ «ہاٹ» کا مخفف ہے، اور «ہاٹ» کا معنی ہے دکان۔ اور اس لفظ کا دوسرا جز «تال» بمعنی «تالا» ہے تو «ہڑتال» کا لفظی معنی ہے: دکانوں کو تالا لگانا۔

ہندسے

اس کے پہلے حرف کو زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں، اور نون اور دال ساکن ہیں۔ اس کا مفرد ہندسہ ہے۔ لیکن عام طور پر اسے جمع کی حالت میں پڑھا جاتا ہے۔

اس کا معنی ہے اعداد پر دلالت کرنے والے رموز یعنی: ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ وغیرہ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو «ہندسے» اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ہند سے یعنی ہندوستان سے دوسرے ملکوں میں گئے ہیں۔ پنڈت جواہر لعل نہرو نے بھی اپنی کتاب The Discovery of India میں یہ بات لکھی ہے۔ لیکن یہ بات از قبیل folk etymology ہے۔

در اصل یہ لفظ عربی ہے اور اس کا تلفظ «هَنْدَسَة» ہے۔ اور یہ مصدر ہے فعل «هَنْدَسَ يُهَنْدِسُ» کا۔ اس لفظ کا معنی ہے اندازہ لگانا۔ اور اس کا اسم

فاعل «مُهَنْدِس» بمعنی انجینئر ہے۔ اور ابتداء میں اس کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا تھا جو کسی عمارت کے بننے سے پہلے یہ اندازہ لگا سکے کہ اس پر کتنا خرچہ آئے گا، اور اس کے لئے کیا کیا چیزیں اور کتنی مقدار میں درکار ہیں۔

اب ذرا کچھ اور پیچھے کی طرف جاتے ہیں۔ یہ لفظ عربی میں فارسی سے آیا ہے۔ اس کی اصل «انداز» یا «اندازہ» ہے۔ قدیم فارسی میں لفظ «انداز» بصورت «ہنداز» بھی آیا ہے۔ اور یہی دوسرا صیغہ عربی میں بصورت «هنداز» بکسر اول داخل ہوا۔ عربی میں کہتے ہیں «أعطى فلاناً بِلا حِسابٍ ولا هِندازٍ» یعنی اس نے فلاں کو اتنے پیسے دیے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

پھر اس سے فعل بنایا گیا تو «هَنْدَزَ يُهَنْدِزُ» بنا۔ بعد میں «ز» کو «س» سے بدل کر «هَنْدَسَ يُهَنْدِسُ هَنْدَسَةً» بنایا گیا۔

فارس سے نکلنے کے بعد اس لفظ میں اتنی تبدیلی آئی ہے کہ اہلِ فارس اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

ہیلی کاپٹر

انگریزی میں اس کا املا ہے: helicopter۔ یہ لفظ پہلے پہل فرانس کے عالم Gustave Ponton d'Amécourt نے ۱۸۶۱ میں وضع کیا تھا۔

یہ دراصل یونانی لفظ ہے، اور ذیل کے دو اجزاء سے بنا ہے:

پہلا جزء ہے helix (ελιξ) جس کا معنیٰ ہے پیچ، یعنی معدن یا پلاسٹک کا پیچ جس کے دائرے ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہوتے ہیں، جسے انگریزی میں spiral کہتے ہیں۔

اور دوسرا جزء «پٹر» (pter) ہے جس کا معنیٰ ہے پرندوں کا پر۔ عام ہوائی جہازوں میں جو بڑے بڑے پر ہوتے ہیں وہ ثابت ہوتے ہیں۔ ان کا صرف ایک حصہ ایسا ہے جو ہوائی جہاز کو اوپر لے جانے یا نیچے اتارنے کے وقت حرکت کرتا ہے۔ لیکن ہیلی کاپٹر کے جو پر ہیں وہ جہاز کو اوپر لے جاتے ہیں، اس لیے ان پروں کو پیچ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ہیلی کاپٹر کو اختصاراً cho pper کہا جاتا ہے۔ لفظ « ہیلی کاپٹر » کا ہو بہو ترجمہ کر کے ہم اسے اردو میں «پیچ پر» کہہ سکتے ہیں۔

فہرست

ر

ز

س

ص

ط

ع

غ

ق

ک

ل

م

تم بحمد اللہ

۲۹ ربیع الاول ۱۴۳۹ ہجری | ۲۲ جنوری ۲۰۱۸

ڈاکٹرف۔عبدالرحیم کا تعلق تاملناڈ کے شہر 'وانم باڑی' سے ہے، جہاں آپ کی پیدائش ۱۹۳۳ء میں ہوئی۔ مدراس یونیورسٹی سے انگریزی زبان وادب میں B.A.(Hons.) کرنے کے بعد آپ قاہرہ چلے گئے، جہاں دنیا کی شہرۂ آفاق یونیورسٹی ''جامعۃ الازہر'' سے آپ نے عربی لسانیات میں ایم فل اور پی۔ایچ۔ڈی۔کی اسناد حاصل کیں۔

سنہ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۹ء تک آپ نے سوڈان کی یونیورسٹی 'جامعۃ ام درمان الاسلامیۃ' میں انگریزی زبان وادب کی تدریس کے فرائض انجام دئے۔ سنہ ۱۹۶۹ء میں آپ مدینہ منورہ کی مشہور یونیورسٹی 'الجامعۃ الاسلامیۃ' سے منسلک ہو گئے اور ۲۶ رسال تک عربی لینگویج فیکلٹی میں عربی لسانیات پڑھاتے رہے۔ اس دوران آپ نے غیر عربوں کے لیے ایک جامع نصاب مرتب کیا۔ اس سلسلے کی اہم کتاب ''دروس اللغۃ العربیۃ'' کے نام سے دنیا بھر میں پڑھائی جاتی ہے۔

آپ کا خیال ہے کہ قرآن کریم اور حدیث شریف کے ذریعہ عربی پڑھائی جائے۔ اس نظریے کے تحت آپ نے ایک درجن سے زائد کتابیں لکھیں۔ آپ کی تالیفی سرگرمیوں کا دوسرا میدان لسانیات ہے۔ اس میدان میں آپ کی خاص دلچسپی الفاظ کی تاریخ اور ان میں پوشیدہ اسرار ورموز کا مطالعہ ہے۔ اس موضوع پر بھی آپ کی دس کتابیں اردو و عربی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ آپ آج کل 'شاہ فہد قرآن پریس' سے منسلک ہیں۔ جہاں آپ قرآنی تراجم کے مرکز میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔

₹ 150/-